قانونِ اسلامی ۔ اختصاصی مطالعہ ۱۶

اصولِ فقہ

اسلام کا نظریۂ اجتہاد

شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

قانونِ اسلامی-اختصاصی مطالعہ

اصولِ فقہ---۱۶

اجتہاد اور تعبیرِ شریعت-۱

اسلام کا نظریۂ اجتہاد

عرفان خالد ڈِھلّوں

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

قانونِ اسلامی - اختصاصی مطالعہ

اصولِ فقہ---۱۶

اجتہاد اور تعبیرِ شریعت-۱

عنوان	:	اسلام کا نظریہ اجتہاد
مؤلف	:	عرفان خالد ڈھلّوں
نظرثانی	:	سیّد عبدالرحمٰن بخاری
ادارت	:	عرفان خالد ڈھلّوں
حتمی تصحیح	:	شہزاد اقبال شام
نگران مطالعہ اسلامی قانون کورس	:	شہزاد اقبال شام
نگران منشورات	:	سیّد عبدالرحمان بخاری
ناشر	:	شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
مطبع	:	روحائی پرنٹرز ۱۷ وحدت روڈ لاہور
سالِ طباعت	:	۲۰۰۲ء
تعداد	:	۱۰۰۰

ISBN 969 - 8263 - 23 - 3

فہرست

۱۔	پیش لفظ	۵
۲۔	تعارف	۷
۳۔	اسلام کا نظریۂ اجتہاد	۹
۴۔	اجتہاد کی تعریف	۹
۵۔	اجتہاد کی اہمیت و ضرورت	۱۱
۶۔	اجتہاد کی مشروعیت	۱۵
۷۔	اجتہاد کا حکم	۲۱
۸۔	شرائطِ اجتہاد	۲۱
۹۔	کیا کوئی زمانہ مجتہد مطلق سے خالی ہو سکتا ہے؟	۳۲
۱۰۔	اجتہاد کا دائرہ کار	۳۲
۱۱۔	اجتہاد کے مآخذ و ذرائع	۳۴
۱۲۔	اجتہاد کی اقسام	۳۶
۱۳۔	مجتہدین کی اقسام	۴۳
۱۴۔	کیا ہر مجتہد مصیب ہے؟	۴۵
۱۵۔	اہم نکات	۴۹
۱۶۔	کتب برائے مزید مطالعہ	۵۰
۱۷۔	مصادر و مراجع	۵۰

پیش لفظ

کسی ریاست کا رائج قانون اس میں بسنے والوں کے اساسی نظریات و عقائد کا عکاس ہوتا ہے ورنہ قانون اور قوم میں اجنبیت کے باعث نہ تو قانون اس قوم میں قبولیت عام کی سند حاصل کرتا ہے اور نہ قوم اس قانون کے احترام اور پاسداری میں گرمجوشی کا مظاہرہ کرتی ہے جس کا نتیجہ معاشرتی اشتات و انتشار اور بے چینی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اگر قانون اجنبی اور مسلّط کردہ ہو تو اس پر عمل جبر کے تحت ہوتا ہے اور مجبور قومیں آزاد نہیں ہوتیں۔ اجنبی قانون تو وہ قومیں اپناتی ہیں جو خود کسی دستور اور نظمِ قانون سے تہی دامن ہوتی ہیں۔

مسلم اُمہ اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ دستور سازی اور قانون سازی پر اس کا علمی ورثہ بہت گراں قدر ہے۔ گذشتہ ۱۳ صدیوں سے مسلمان اہلِ علم کی تحریریں قانون اور اصولِ قانون پر دنیا بھر کی رہنمائی کر رہی ہیں۔ امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ)، امام محمد شیبانیؒ (م ۱۸۹ھ) اور امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کی کتابیں آج بھی روشنی کا منبع ہیں۔

امت مسلمہ کے قانونی اور دستوری نظام کے دو بنیادی عناصر ہیں جن کے بغیر اسلام کا قانونی نظام نہ تو اپنی صحیح شکل و صورت میں قائم رہتا ہے اور نہ ان سے فکری غذا حاصل کیے بغیر ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ پہلا بنیادی عنصر اسلامی عقائد ہیں جن کی وجہ سے اہلِ ایمان میں فکری استحکام پیدا ہوتا ہے۔ یہ فکری استحکام ایمان و یقین کی وجہ سے اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ صاحبِ ایمان کو ہر قسم کی فکری بے راہ روی سے محفوظ کر کے حق و صداقت کی جانب گامزن رکھتا ہے۔ دوسرا بنیادی عنصر اخلاق و تزکیہ ہے۔ مکارمِ اخلاق کی تعلیم اور تزکیۂ نفس انسان کے کردار، مزاج اور رویّہ کی اصلاح کر کے اسے معاشرہ میں تہذیب و شائستگی کے اعلیٰ مقام پر فائز رکھتے ہیں۔

امت مسلمہ جب تک اپنے فقہی اور قانونی ورثہ سے وابستہ رہی اس وقت تک اس کی ترقی کی رفتار بھی تیز رہی اور عالمی قیادت میں بھی اس کا نمایاں کردار رہا اور دنیا بھر کے انسانوں کی رہنمائی کے لیے بہترین نمونہ بھی پیش کرتی رہی۔

لیکن جب مسلمانوں میں بنیادی عقائد کی تعلیم و تربیت کا نظام کمزور پڑ گیا اور اخلاقی اقدار میں ضعف پیدا ہوا تو اس کے اثرات مسلمانوں کی سیاسی، اجتماعی اور قانونی زندگی پر بھی مرتب ہوئے۔ پھر استعماری دور میں اسلامی روایات، نظامِ تعلیم، قانون اور تہذیب و تمدن کو مٹانے کے لیے منظم کوششیں کی گئیں جس کے نتیجے میں برصغیر میں ملک کے اسلامی عدالتی اور تعلیمی نظام کی جگہ استعمار کے اپنے نظام نے لے لی۔ اس صورتِ حال نے اس پورے خطہ کو بری طرح متاثر کیا اور بتدریج ہر شعبہ میں شر و فساد سرایت کرتا چلا گیا جس کے تباہ کن اثرات سے آج ہم دوچار ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے برحق فرمایا تھا:

نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ، وَاِنِ ابْتَغَيْنَا الْعِزَّةَ بِغَيْرِهٖ اَذَلَّنَا اللّٰهُ

ہم ایک ایسی قوم ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت بخشی، اگر ہم نے عزت کو اسلام کے علاوہ کسی اور نظامِ حیات میں تلاش کیا تو اللہ ہم کو ذلیل کر دے گا۔

آج مسلمانوں میں موجودہ صورتِ حال کو تبدیل کرنے کی تڑپ پائی جاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ غیر اقوام کے قانون سے خود کو آزاد کرا کے قرآن و سنت کے نظامِ حیات میں دوبارہ عزت تلاش کریں۔ اسی تڑپ کے وہ مظاہر ہیں جو دنیا کے مختلف خطوں میں عالمِ اسلام اور عالمِ کفر کے مابین کشمکش کی صورت میں نظر آ رہے ہیں۔

امت مسلمہ کو ایسے رجال کار کی ضرورت ہے جن کی جدید قانونی نظریات پر تنقیدی نظر ہو اور جو فقہ اسلامی کے اصل مآخذ سے استفادہ کرنے کی دسترس رکھتے ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا احکام شریعت کی اکملیت، حقانیت اور ان کے قابل عمل ہونے پر غیر متزلزل ایمان اور ان احکام کو روبہ عمل دیکھنے کی حقیقی تمنا اور لگن بھی ہو۔

ایسے رجال کار کی تیاری میں شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد بھی اپنے قیام کے روز اوّل سے مصروفِ عمل ہے۔ اس سلسلے میں بیرون ملک کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی قانون دان طبقوں کے تربیتی پروگراموں کا انعقاد مسلسل جاری ہے۔ اس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے شعبہ میں فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ''سلسلہ مباحث فقہیہ'' کی تیاری اور اردو اور انگریزی زبانوں میں تراجم کا کام بھی ہو رہا ہے۔ شریعہ اکیڈمی کے تحت ''مطالعہ اسلامی قانون'' پر ایک ابتدائی کورس کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس ایک سالہ فاصلاتی کورس کے ذریعے اندرون اور بیرون ملک ہزاروں افراد اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں سے آگاہی حاصل کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔

ہم نے اس ابتدائی کورس کے آغاز پر اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ''ایڈوانس کورس'' تیار کیے جا رہے ہیں اور جلد ہی ان کو شروع کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمارے عزم کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشا، ہماری راہیں آسان فرمائیں اور ہم اس قابل ہوئے کہ اصولِ فقہ (ISLAMIC JURISPRUDENCE) میں اختصاصی مطالعہ (ADVANCE COURSE) کا اجراء کرسکیں۔ فاصلاتی نظام کے تحت یہ اختصاصی مطالعہ چوبیس درسی اکائیوں (UNITS) پر مشتمل اور ایک سالہ دورانیہ کا ہے۔

اسلامی قانون میں دیگر اختصاصی مطالعہ جات کی تیاری کا کام جاری ہے۔ ہم بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ اس نے جس طرح ہمیں اصولِ فقہ میں اس اختصاصی مطالعہ کو شروع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اسی طرح ہمارے دیگر منصوبوں کی تکمیل میں بھی فضلِ الٰہی شامل حال رہے گا۔ اِن شاء اللہ

پاکستان بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ پر قانونِ الٰہی کے غلبہ و قیادت کے لیے مطلوبہ رجالِ کار کی تیاری کسی ایک ادارے کا کام نہیں ہے بلکہ اس میں اُمت مسلمہ کے ہر فرد کو اپنی حیثیت کے مطابق کردار ادا کرنا ہے۔

ہم اہلِ علم سے ایسی تجاویز کا خیر مقدم کریں گے جو ہمارے منصوبوں کی بہتری میں مد و معاون ہوں۔

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی
ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

تعارف

اس درسی اکائی (UNIT) کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات اچھی طرح آپ کے ذہن نشین ہو جائے کہ اسلام کا نظریہ اجتہاد کیا ہے۔ وہ انسانی زندگی کے پیچیدہ مسائل کے حل کے لیے کیا راہ تجویز کرتا ہے تاکہ حیاتِ انسانی تعطل کا شکار نہ ہو۔

اس درسی اکائی میں قرآن مجید، سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آثارِ صحابہ؄، اقوالِ فقہاء اور اصولیین کی آراء کی روشنی میں اجتہاد سے متعلق ضروری مباحث سمیٹی گئی ہیں اور اسلام کے نظریہ اجتہاد کے بارے میں بعض سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں تاکہ آپ میں یہ احساسِ تفخر اور اعتماد پیدا ہو کہ اسلام ایک برحق، کامل، ہر دور میں انسانی رہنمائی اور زمانی ضرورتوں کو پورا کرنے والا دین ہے۔ اجتہاد ان ضرورتوں کو پورا کرنے کا ایک اہم طریقہ ہے جو دین اسلام نے عطا کیا ہے۔ اجتہاد کے ذریعے فقہ اسلامی میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ہر زمان و مکان کے لیے موزوں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا نظریہ اجتہاد

اجتہاد کی تعریف

لغوی تعریف: اجتہاد عربی زبان کے لفظ "جهد" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کوشش، مشقت اور محنت[1]۔

وَالَّذِيْنَ لَايَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ [التوبہ ۹:۷۹]

اور جو نہیں پاتے بجز اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے

لغت میں اجتہاد سے مراد کسی کام کی انجام دہی میں ایسی انتہائی کوشش اور طاقت صرف کرنا ہے جس میں محنت اور مشقت برداشت کرنا پڑے[2]۔ اگر کسی کوشش میں محنت اور مشقت نہ پائی جائے تو وہ اجتہاد نہیں ہے۔ اگر ایک شخص نے سو کلوگرام وزنی پتھر اٹھایا تو اس نے جدوجہد اور انتہائی کوشش کی جبکہ ڈیڑھ سو گرام وزن اٹھانے کو انتہائی مشقت کہنا صحیح نہیں ہے۔

اصطلاحی تعریف: علمائے اصول فقہ نے اجتہاد کی تعریف میں مختلف پیرائے اختیار کیے ہیں۔ مثلاً:

امام غزالیؒ: مجتہد کا شرعی احکام کے علم کی تلاش میں اپنی کوشش کرنا[3]۔

علامہ آمدیؒ: اجتہاد، شرعی احکام میں کسی حکم سے متعلق غالب گمان کے حصول میں ایسی طاقت صرف کرنے کے ساتھ مخصوص ہے کہ مجتہد یہ محسوس کرے کہ وہ اس میں مزید طاقت صرف کرنے سے عاجز ہے[4]۔

علامہ تفتازانیؒ: کسی شرعی حکم کے بارے میں غالب گمان کے حصول میں فقیہ کا اپنی طاقت صرف کرنا[5]۔

علامہ زرکشیؒ: استنباط کے طریقہ سے کسی شرعی عملی حکم کو پانے میں طاقت صرف کرنا[6]۔

• علامہ عبدالعزیز بخاریؒ: اجتہاد اس کوشش کے لیے مخصوص ہے جو شرعی احکام سے متعلق علم حاصل کرنے میں کی جاتی ہے[7]۔

۱۔ لسان العرب ۱۳۳/۳

۲۔ المستصفی ۳۵۰/۲۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۳۹۶/۴۔ کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی ۱۴/۴

۳۔ المستصفی ۳۵۰/۲

۴۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۳۹۶/۴

۵۔ التلویح علی التوضیح ۶۷۱/۲

۶۔ البحر المحیط ۲۲۷/۸

۷۔ کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی ۱۴/۴

مندرجہ بالا چند تعریفات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اجتہاد مجتہد کی اس انتہائی کوشش کا نام ہے جو فقہ اسلامی کے تفصیلی دلائل سے بذریعہ استنباط کسی شرعی عملی حکم کے حصول میں کی جائے۔ اس ضمن میں چند اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اجتہاد کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں اپنی حد تک انتہائی کوشش اور طاقت صرف کی جائے اور کسی نئے مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے میں اتنی زیادہ کوشش کی جائے کہ یہ غالب گمان حاصل ہو جائے کہ نئے مسئلہ کا جو حکم اخذ کیا گیا ہے وہی شریعت کا مقصد و منشا ہے۔ اگر اس کوشش اور طاقت کے استعمال میں مجتہد کی طرف سے کوئی کمی رہ گئی تو یہ اجتہاد نہیں ہوگا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اجتہاد تام (مکمل) یہ ہے کہ مجتہد شرعی احکام کے علم کی طلب میں اس حد تک کوشش کرے کہ خود اس کو یہ محسوس ہو کہ اس سے زیادہ کوشش کرنے سے وہ اب عاجز ہے(۸)۔

۲۔ حکم شرعی کی طلب میں صرف وہی کوشش اجتہاد کہلائے گی جو اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے کسی عالم سے صادر ہو۔ غیر مجتہد شخص کسی شرعی حکم کو جاننے کے لیے کتنی ہی انتہائی کوشش کرے، وہ اجتہاد نہیں ہوگا۔

۳۔ اجتہاد استنباط کے طریقہ سے ہونا چاہیے یعنی شرعی حکم کا علم غور و فکر اور دلائل سے حاصل ہو۔ ہر وہ کوشش جو نصوص کے ظاہر سے احکام اخذ کرنے، مفتی سے ان کا علم حاصل کرنے، علمی کتب کے مطالعہ یا مسائل کے یاد کرنے سے اس علم کو حاصل کرنے کے لیے کی جائے، اجتہاد نہیں کہلائے گی۔ اگرچہ یہ کوشش لغوی طور پر اجتہاد ہے لیکن اصطلاح میں یہ اجتہاد کی تعریف سے خارج ہے۔

۴۔ اجتہادی کوشش کسی شرعی حکم کے ادراک میں ہونی چاہیے۔ کسی ایسے حکم کی جستجو جس کا تعلق لغت اور طبعی علوم وغیرہ سے ہو، اجتہاد نہیں کہلائے گا خواہ وہ کوشش کتنی ہی انتہائی محنت اور مشقت والی کیوں نہ ہو۔

۵۔ اجتہاد شریعت کے عملی احکام میں ہوگا۔ عقلی، لغوی اور حسی احکام کی معلومات کے حصول کی کوشش اجتہاد نہیں ہوگی۔ اسی طرح کسی شرعی علمی حکم مثلاً عقائد وغیرہ کے حکم کے ادراک کی کوشش کرنے والا بھی مجتہد نہیں ہے۔ اگرچہ متکلمین کے ہاں ایسی کوشش اجتہاد ہے(۹)۔

۶۔ اس کوشش کا تعلق شریعت کے ان احکام سے ہونا چاہیے جو ظنیات کے دائرے میں آتے ہوں جیسا کہ علامہ آمدیؒ اور علامہ تفتازانیؒ وغیرہ نے اپنی تعریفوں میں صراحت کی ہے۔ جو احکام قطعی ہیں ان کو جاننے کے لیے کوشش کرنے کو اجتہاد کا نام نہیں دیا جائے گا۔

جو اجتہاد کرے وہ مجتہد کہلائے گا اور مجتہد وہ شخص ہے جس میں اجتہاد کی صلاحیت پائی جائے(۱۰)۔ مجتہد کا درجہ فقیہ سے

۸۔ المستصفیٰ ۱/۳۵۰۔ البحر المحیط ۸/۲۲۷۔ ارشاد الفحول ص ۴۱۸

۹۔ البحر المحیط ۸/۲۲۷

۱۰۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۴/۳۹۷۔ کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی ۴/۱۴

جتہ کر ہوتا ہے۔ مجتہد نہ صرف شریعت کا علم رکھتا ہے بلکہ وہ مسائل کے شرعی احکام کا استخراج اور استنباط کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ کوئی عورت بھی مجتہد ہو سکتی ہے۔

ہر وہ شرعی حکم جس کے بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو بلکہ ظنی دلیل ہو، مجتہد فیہ کہلاتا ہے[11]۔

اجتہاد کی اہمیت وضرورت

اجتہاد کی اہمیت وضرورت کا انکار کسی طور ممکن نہیں ہے۔ انسانی زندگی ارتقاء اور مسلسل تبدیلیوں سے عبارت ہے۔ قوموں اور تہذیبوں کی بقاء کا راز اس امر میں پنہاں ہوتا ہے کہ وہ تبدیلیوں کے مسلسل عمل کے نتیجے میں پیدا شدہ مسائل کا حل کس طرح ڈھونڈتی ہیں۔ اگر قومیں اور تہذیبیں اس کام میں جمود اور ٹھہراؤ کا شکار ہو جائیں تو وہ اپنے وجود کے خلاف دلیل قائم کرتی ہیں۔

اسلام ایک متحرک، مکمل، زندگی سے لبریز، عالم گیر، تمام نظام ہائے زندگی پر غالب اور تا قیامت رہنے والا دین ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [المائدۃ ۵:۳]

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

قرآن مجید کی ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ [التوبہ ۹:۳۳]

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

دین اسلام کا خمیر ان ابدی اور پختہ اصولوں اور عقائد پر اٹھایا گیا ہے جو ہر زمان و مکان میں نسل انسانی کے لیے راہِ ہدایت اور باعثِ فلاح ہیں۔ دینِ اسلام کا آج کے دور میں بھی ایک متحرک دین ہونا اور قیامت تک انسانی راہنمائی کا بجا طور پر دعویٰ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے مزاج میں ٹھہراؤ اور جمود نہیں ورنہ اسلامی تہذیب بھی گم گشتہ تہذیبوں کی فہرست میں ایک اضافہ ہوتی، اس کا دامن کارہائے نمایاں سے خالی ہوتا اور اس کی فطرت میں انسانی مسائل کے حل کے لیے تڑپ نہ ہوتی۔

اسلام حیاتِ انسانی کے بارے میں تنگ نظری کا رویہ نہیں رکھتا۔ وہ زندگی کے گوشوں کو پھلتا پھولتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے اور زندگی کے ارتقاء و ترقی میں حائل رکاوٹوں کو دور کرتا اور سہولت پیدا کرتا ہے۔

11۔ المستصفی ۲/۳۵۴۔ نفائس الاصول ۹/۴۰۲۴۔ البحر المحیط ۸/۲۶۵۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۴/۳۹۸

قرآن مجید میں ہے:

يُرِيْدُاللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَايُرِيْدُبِكُمُ الْعُسْرَ [البقرة ۲:۱۸۵]

اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔

انسانی زندگی میں پیش آنے والے ایسے حوادث و مسائل جن کے بارے میں شریعت اسلامی کے بنیادی مآخذ قرآن اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی صریح حکم نہیں ملتا، اسلام ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک طریقہ فراہم کرتا ہے جو اجتہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منصبِ نبوت عطا فرمانے کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریعی اختیارات بھی دیئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی تربیت دی اور یوں شرعی احکام کے استخراج و استنباط کا کام امتِ مسلمہ کو تفویض ہوا۔ اب نبوی دور نہیں ہے کہ کسی مسئلہ کے حکم کے لیے وحی الٰہی کا انتظار کیا جائے بلکہ اب مسائل کے حل کی ذمہ داری اُمت مسلمہ کے مجتہدین پر ہے کہ وہ غور و فکر اور تلاش و جستجو کریں اور اجتہاد سے کام لیں۔

اجتہاد ہی وہ طریقہ ہے جس سے نت نئے مسائلِ حیات کا حل تجویز کیا جاتا ہے اور انسانی زندگی کے تسلسل میں جمود اور ٹھہراؤ نہیں آتا۔ اجتہاد ایک ''سرچشمہ'' ہے اور رائے اور عقل پر مبنی مآخذ مثلاً قیاس، استحسان، استصلاح اور استدلال وغیرہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی ''سرچشمہ'' سے نکلی ہوئی ''نہریں'' ہیں۔ دینِ اسلام پر کاربند اور ہمیشہ قائم رہنے والی ملّتِ اسلامیہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے رجالِ کار عطا ہوتے رہیں گے جو اسلام کی ابدیت اور اکملیت کے دعویٰ کی سچائی قائم رکھیں گے، انسانوں کی زندگی سے تنگی و مشقت کو دور کرتے رہیں گے اور ہر دور کے پیچیدہ انسانی مسائل کا حل قرآن و سنّت کے مجموعی مزاج کی روشنی میں پیش کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ملّت اسلامیہ کو امّتِ وسط بنایا ہے جو ایک دیانتدار امّت کے طور پر پہچانی جاتی ہے اور جو جس طرح مسجدوں میں اپنی عملی زندگی کے مظاہرے کرتی ہے بالکل اسی طرح بازار، کارخانے، عدل و انصاف اور حکومت کے ایوان بھی ملّتِ اسلامیہ کے اس رجحان کے عکاس ہیں جس میں وحی الٰہی کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ ملّتِ اسلامیہ کے ہر دور میں اس کی ضروریات اور وقت کے تقاضوں کے مناسب مجتہدین کا پایا جانا ضروری ہے۔

اجتہاد کی ضرورت

جن حالات میں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے اس کی عمومی طور پر تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

ا۔ حکمِ شرعی کی دریافت

انسانی زندگی میں پیش آنے والے بعض مسائل و حوادث ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں شریعتِ اسلامی کی نصوص سے ہم کوئی صریح حکم تلاش نہیں کر پاتے۔ ایسے نئے مسائل سے متعلق حکمِ شرعی کی دریافت کے لیے اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ قرآن مجید، سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماعِ اُمّت سے ثابت شدہ صریح احکام کے الفاظ و معانی پر غور و فکر اور دلالت کے

طریقوں پر عمل کرتے ہوئے نئے مسائل کا حکم دریافت کیا جا سکتا ہے۔

بعض نئے مسائل ایسے ہوتے ہیں جو ان نظائر (PRECEDENTS) سے مماثلت رکھتے ہیں جن کے احکام شریعت کی نصوص میں موجود ہوں۔ ایسی صورت میں نئے مسائل اور ثابت شدہ احکام و نظائر کی عِلّتوں کی تلاش اور ان پر غور وفکر کیا جاتا ہے۔ اگر نئے اور پرانے مسائل کی عِلّتوں میں یکسانیت اور اتحاد پایا جائے تو ثابت شدہ حکم کو نئے مسئلہ پر نافذ کر دیا جاتا ہے۔

اگر نئے مسئلہ کا حکم نہ تو شریعت کی صریح نصوص سے ملے اور نہ اس نئے مسئلہ سے مشابہ احکام اور نظائر پائے جائیں تو ایسی صورت میں قرآن و سنّت کے مجموعی مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے استحسان کو بنیاد بنا کر مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کا حکم دریافت کر لیا جاتا ہے۔

۲۔ حکم کے موقع ومحل کا تعیین

کسی مسئلہ کے بارے میں شریعت کا حکم اصولی اور کلّی شکل میں موجود ہوتا ہے لیکن موقع ومحل کے تعیین کے لیے اس میں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً گواہی کے متعلق قرآن مجید کا ایک حکم یہ ہے:

وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عدْلٍ مِنْكُمْ [الطلاق ۶۵:۲]

اپنے میں سے دو عادل مَردوں کو گواہ کر لو۔

مندرجہ بالا قرآنی نص میں گواہوں کی صفت ''عدالت'' کا ذکر ہے۔ فقہائے کرام نے شریعت کی تمام نصوص کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ''عدالت'' کا مفہوم بیان کیا ہے۔ مثلاً علامہ عبداللہ دراز نے امام شاطبیؒ کی کتاب **''الموافقات فی اصول الشریعة''** کے حاشیہ میں ''عدالت'' کا مفہوم یوں بیان فرمایا ہے کہ یہ ایک ایسا ملکہ ہے کہ جو تقوی اور مروّت اختیار کرنے سے عبارت ہے۔ تقویٰ کبائر سے کلّی طور پر بچنے اور مروّت پست باتوں اور ان چیزوں سے جن کو لوگ معیوب سمجھتے ہوں، نفس کو بچانے کا نام ہے[۱۲]۔

''عدالت'' کے وصف میں تمام لوگ ایک جیسے اور برابر نہیں ہیں بلکہ اس حوالے سے ان میں اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ ''عدالت'' کا تعلق انسان کے اخلاق و کردار سے ہے۔ امام شاطبیؒ نے اس اعتبار سے ''عدالت'' کے تین درجات بیان فرمائے ہیں[۱۳]:

۱۔ اعلیٰ درجہ: اس درجہ میں نہایت اونچے قسم کے لوگوں کا شمار ہوگا۔ عدالت کے اس درجہ میں ہر دور کے چند افراد ہی آ سکیں گے۔ مثلاً صحابہ کرامؓ کے دور میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ''عدالت'' کے اس اعلیٰ درجہ میں تھے۔

۱۲۔ الموافقات ۴/۹۰

۱۳۔ حوالہ بالا ۴/۹۰

۲۔ **ادنیٰ درجہ:** اس درجہ میں انسانوں کے ہاتھوں ''عدالت'' کے اوصاف پامال ہوتے رہتے ہیں۔ ''عدالت'' کے باب میں اس درجہ کا شمار برائے نام ہی ہوسکتا ہے۔

۳۔ **متوسط درجہ:** یہ درجہ ''عدالت'' کے اعلیٰ اور ادنیٰ درجوں کے درمیان ہوتا ہے۔ متوسط درجہ کے بہت سے درجے اور مرتبے ہوتے ہیں۔

''عدالت'' کے اعلیٰ اور ادنیٰ درجوں کے سمجھنے اور ان کے تعیین میں کوئی دشواری نہیں ہوتی لیکن اس کے متوسط درجہ کے موقع ومحل کے تعیین میں مشکل مقامات آتے ہیں۔ ''عدالت'' کے متوسط درجہ کے بے شمار مراتب کو دریافت کرنے کے لیے اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔

مثلاً مروّت، پست باتوں اور لوگوں کے نزدیک معیوب چیزوں کے تعیین میں کسی قوم کی عادات اور وہاں کے معاشرتی حالات کو دخل ہوتا ہے۔ انسان کی ظاہری وضع قطع بھی اس کے کردار کی صحیح تشخیص میں حتمی نہیں ہوسکتی۔ ظاہری حلیہ میں دین دار نظر آنے والا ایک شخص عادی مجرم ہوسکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دین داری کی ظاہری علامات سے خالی شخص اخلاق کے اعتبار سے بلند مقام پر فائز ہو اور اس کا باطن تقویٰ اور مروّت جیسی صفات سے معمور ہو۔ عام طور پر کسی چیز کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اس پر حکم نافذ کیا جاتا ہے لیکن اس کے باطنی احوال کی معرفت کا لحاظ بھی رکھا جا سکتا ہے۔ شریعت تنگ نظری کا یہ رویّہ بھی روا نہیں رکھتی کہ صرف کسی ایک بات میں شریعت اسلامی کے احکام کی خلاف ورزی پر اس شخص کی ساری زندگی گناہوں سے آلودہ قرار دے دی جائے اور اسے ''عدالت'' کے وصف سے محروم کر دیا جائے۔

کسی معاشرے کی مقامی عادات اور معاشرتی حالات وہاں کے انسان کی صفت ''عدالت'' کے تعیین میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مقامی عادات و معاشرتی حالات میں زمان و مکان کے اعتبار سے اختلاف کی وجہ سے ہر دور میں ''عدالت'' کا معیار بدلتا رہا ہے۔ ان معاشرتی عادات و حالات اور مقررہ اصول وضوابط کی روشنی میں گواہی کے لیے ''عدالت'' کا معیار قائم کرنے اور اس معیار پر شاہد یعنی گواہ کو جانچنے و پرکھنے کے لیے اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔

۳۔ دشواری اور مشقت کو دور کرنا

بعض اوقات کسی شرعی عذر مثلاً بیماری یا معاشرتی خرابی کے باعث شریعت کے حکم پر عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور اس صورت میں شرعی حکم پر عمل کرنے سے انسانی زندگی مشقت و تکلیف میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس وقت اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ ایسی صورت تلاش کی جائے جس سے شریعت کے حکم پر بھی عمل ہو جائے اور انسانی زندگی سے دشواری اور تنگی بھی دور ہو جائے۔ شریعت انسانی زندگی کو مشکلات میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی عملی زندگی سے دشواری اور تکلیف دور ہو۔

کسی عذر کے باعث شرعی حکم پر عمل سے تنگی کی صورت میں اگر اصل حکم کے بدل میں شارع کا کوئی اور حکم موجود ہو تو پھر موقع ومحل کی رعایت سے اصل حکم کی جگہ متبادل حکم پر عمل کر کے دشواری دور کر لی جاتی ہے، جیسے معذور اور بیمار وغیرہ کے

احکام اور کفارہ کے احکام۔ رمضان کا روزہ فرض ہے لیکن بیمار یا مسافر یہ روزہ رکھے گا تو اس شرعی حکم کی اطاعت میں اس کی عملی زندگی دشوار ہو جائے گی۔ اس دشواری کو دور کرنے کے لیے شریعت نے رمضان کی فرضیت کے حکم کے متبادل یہ حکم رکھا ہے کہ بیمار اور مسافر رمضان کا روزہ مؤخر کرلیں اور وہ بالترتیب صحت یاب اور مقیم ہونے پر روزوں کی قضا کرلیں۔

اگر کسی اصل حکم کا بدل موجود نہیں ہے تو عملی زندگی میں پیدا ہونے والی دشواری دور کرنے کے لیے اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے جس کے ذریعہ شریعت کی عطا کردہ سہولتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

اجتہاد کی مشروعیت

اجتہاد کی مشروعیت قرآن مجید، سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تعاملِ صحابہؓ اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔

قبل ازیں آپ درسی اکائی ''قیاس'' میں حجیتِ قیاس پر دلائل کا مطالعہ کر چکے ہیں جو اجتہاد کی مشروعیت و حجیت میں بھی دیے جاتے ہیں۔ تکرار سے بچنے کے لیے انہیں نقل نہیں کیا جا رہا۔ البتہ یہاں آپ کا انہیں ایک بار پھر دیکھ لینا مفید ہوگا۔ اجتہاد کی مشروعیت میں مزید چند اہم دلائل حسب ذیل ہیں:

قرآن مجید

۱۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ [البقرة ۲:۱۴۹]

اور جس جگہ بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کیجئے،
اور جہاں بھی تم رہو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کرو۔

مسجد حرام سے دوری کی صورت میں جبکہ وہ نظر کے سامنے نہ ہو، اس کی طرف رُخ اجتہاد ہی کی بنا پر ہوتا ہے۔ نماز جیسی اہم عبادت میں جب یہ حکم موجود ہے تو پھر زندگی کے دیگر مسائل میں اجتہاد بدرجہ اولیٰ ہوگا[۱۴]۔ یہ آیت اجتہاد کے مفہوم اور دائرہ کار میں وسعت پیدا کرتی ہے۔

۲۔ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ [البقرة ۲:۲۳۳]

بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انہیں (ماؤوں کو) کھانا، کپڑا دینا ہوگا۔

اس آیت میں لفظ ''معروف'' کا ذکر ہے۔ قرآن مجید اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس ''معروف'' کی کوئی معین مقدار مذکور نہیں ہے۔ ماؤوں کو دورانِ رضاعت جو کچھ پہناوے کے طور پر دیا جائے گا اس کی مقدار اجتہاد سے متعین کی جائے گی۔

۳۔ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ [النحل ۱۶:۴۴]

۱۴۔ اجتہاد ص ۲۳

اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ کتاب نازل کی ہے تا کہ جو (ارشادات)
لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دیں تا کہ وہ غور کریں۔

"لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ" کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس چیز میں تفکر کرنا جس کے حکم سے متعلق کوئی صریح نص موجود نہ ہو[۱۵]۔

۴۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ [آل عمران ۳:۱۵۹]

اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کریں۔

مشاورت ان امور میں ہوتی ہے جن کا حکم اجتہاد کے طریقہ سے معلوم کرنا ہو۔ جن امور کا حکم بذریعہ وحی آ جائے ان میں مشاورت نہیں ہو سکتی۔

۵۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْکَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰکَ اللّٰهُ [النساء ۴:۱۰۵]

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ کی طرف نازل کی
ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے درمیان آپ فیصلہ کریں۔

اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایت دکھائی ہے وہ عام ہے۔ اس میں قرآن کی نص سے حکم دینا اور قرآنی نصوص سے احکام کا استنباط کرنا دونوں شامل ہیں[۱۶]۔

سُنّت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار خود اجتہاد فرمایا۔ جن امور میں وحی نازل نہ ہوتی ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۶۔ انی انما اقضی بینکم برای فیما لم ینزل عليّ فيه[۱۷]

میں ایسے معاملہ میں جس کے بارے میں مجھ پر کچھ نازل نہیں ہوا اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا۔

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا نیا مسئلہ درپیش ہوتا جس میں وحی نازل نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا انتظار فرماتے۔ جب وحی کے انتظار کی مدت ختم ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رائے اور اجتہاد سے کام لے کر اس مسئلے کا حکم فرماتے۔ پھر اگر اس معاملہ میں کوئی وحی نازل نہ ہوتی تو یہ اس حکم کو برقرار رکھنے کی قطعی

۱۵۔ اصول الجصاص ۲/۲۱۲

۱۶۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۴/۳۹۹

۱۷۔ سنن ابو داؤد، کتاب القضاء، باب فی قضاء القاضی اذا اخطاء ۳/۷۰

دلیل ہوتی (۱۸)۔

علامہ شعبیؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی قضیہ کے بارے میں فیصلہ فرماتے، اس کے بعد اگر قرآن مجید کا حکم نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مطابق فیصلہ فرماتے (۱۹)۔ یہ بات واضح ہے کہ قرآن کے بغیر کسی قضیہ کے بارے میں فیصلہ اجتہاد ہی سے ہو سکتا ہے۔

اصولیین کا ایک گروہ یہ رائے رکھتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی امور میں صرف بذریعہ وحی حکم فرمائے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی [النجم ۵۳:۳،۴]

اور (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کہتے۔

یہ (قرآن) تو اللہ کا حکم ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔

دوسرے گروہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ کسی سنت کی بنیاد وحی ہو اور بعض الہام کے طریقہ پر ہو اور آپ پر القا کی گئی ہو۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هذا رسول رب العالمين جبريل عليه السلام نفث في روعي انه لا تموت نفس حتى تستكمل رزقها---(۲۰)

رب العالمین کے قاصد جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات القاء کی کہ بے شک کسی جان کو اس وقت تک ہرگز موت نہیں آئے گی جب تک وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے---

ان اصولیین کے ہاں یہ بھی جائز ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم رائے اور استدلال کی بنیاد پر ہو۔ جن امور کے بارے میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رائے اور اجتہاد سے حکم دیا ہو۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ نبوی اجتہاد اور دیگر مجتہدین کے اجتہاد میں فرق ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد وحی کے مشابہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کو الٰہی تائید حاصل ہوتی ہے۔ اس میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا۔ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی بھی مجتہد کا اجتہاد ان خصوصیات کا حامل نہیں ہوتا۔

علامہ جصاصؒ نے دوسرے گروہ کی رائے کو صحیح قرار دیا ہے (۲۱)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اجتہاد کے جواز اور عدم جواز پر اصولیین کے مابین اختلاف کی تفصیل اصول فقہ کی کتب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۱۸۔ اصول السرخسی ۹۱/۲

۱۹۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۳۹۹/۴

۲۰۔ الترغیب والترھیب ۳۴۱/۲

۲۱۔ اصول الجصاص ۹۳/۲

۷۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مواقع پر اجتہاد سے کام لیتے ہوئے احکام جاری فرمائے۔ مثلاً قربانی کے گوشت کا گھروں میں ذخیرہ کرنے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما نهيتكم من اجل الدّفة التى دفت فكلوا و ادخروا و تصدقوا (۲۲)

میں نے تم کو منع کیا تھا ان محتاجوں کی وجہ سے جو اس وقت آ گئے تھے اب کھاؤ اور رکھ چھوڑو اور صدقہ دو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو اجتہاد کی تربیت دی۔ آپ نے ان میں یہ صلاحیت پیدا کی کہ وہ زندگی کے حوادث و مسائل کا قرآن و سنّت کی روشنی میں حل تلاش کریں اور غیر منصوص احکام کو منصوص احکام پر قیاس کر کے حیات انسانی کے تسلسل کو قائم رکھیں۔

۸۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لے لیا۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج میں نے بڑی غلطی کی ہے۔ میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ارايت لو مضمضت من الماء وانت صائم

اگر تم روزے کی حالت میں پانی سے کُلی کرو تو تمہارا کیا خیال ہے؟

حضرت عمرؓ نے عرض کی: کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو یہ بھی اسی طرح ہے (۲۳)۔

۹۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر کی، پھر وہ مر گئی۔ متوفیہ کا بھائی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور آپ سے اس بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

ارايت لو كان على اختك دين اكنت قاضيه

اگر تیری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تُو اسے ادا کرتا ؟

وہ شخص بولا، ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاقضوا الله فهوا حق بالوفاء (۲۴)

تو اللہ کا قرض ادا کرو۔ اس کا ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔

اس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ اکرمؓ کو بوسے کو کُلی پر اور حج کی نذر کو قرض کی ادائیگی پر قیاس کرنا سکھایا اور نظیر سے کام لینے کی تربیت دی۔

۲۲۔ صحیح مسلم بشرح النووی، کتاب الاضاحی، باب النھی عن اکل لحوم الاضاحی ۲۲۲/۵

۲۳۔ سنن ابو داؤد، کتاب الصیام، باب القبلۃ للصائم ۲۲۰/۲

۲۴۔ سنن نسائی، کتاب الحج، باب الحج عن المیت الذی نذر ان یحج ۱۵۸/۲

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ اکرمؓ کو اجتہاد کرنے کا حکم بھی دیا اور اجازت بھی دی۔

۱۰۔ حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ دو آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا جھگڑا لے کر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ان دونوں کے درمیان فیصلہ کروں[۲۵]۔

۱۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم دیا کہ وہ قبیلہ بنو قریظہ کے یہودیوں کے بارے میں فیصلہ کریں[۲۶]۔

۱۲۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کو بھی فیصلہ کرنے کا حکم دیا تھا[۲۷]۔

۱۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن کے قاضی بنا کر بھیجا [۲۸]۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر حضرت معاذؓ کا یہ عرض کرنا کہ وہ کوئی مسئلہ قرآن و سُنّت میں نہ پانے کی صورت میں اپنی رائے سے اجتہاد کریں گے اور اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذؓ کے قول کی تصویب فرمانا، اسے صحیح قرار دینا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا[۲۹]، اس بات کی صریح دلیل ہے کہ جب کوئی حکم کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پائیں تو اجتہاد سے کام لیا جائے گا۔

۱۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو فرمایا:

اقض بالكتاب والسنة اذا وجدتهما، فاذا لم تجد الحكم فيهما اجتهد رايك [۳۰]

اگر تم کتاب و سُنّت کو پاؤ تو ان کے ساتھ فیصلہ کرو اور اگر تم ان دونوں میں حکم نہ پاؤ تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔

۱۵۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے:

اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران واذا حكم فاجتهد ثم اخطاء فله اجر [۳۱]

جب حاکم اجتہاد کر کے فیصلہ دے پھر صحیح فیصلہ دے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جو اجتہاد کر کے فیصلہ

۲۵۔ اصول الجصاص ۲/۳۷۵۔ البحر المحیط ۸/۲۶۰

۲۶۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲/۵۶۷

۲۷۔ اصول الجصاص ۲/۳۷۵۔ البحر المحیط ۸/۲۶۰

۲۸۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب الحاکم یحکم بالقتل ۳/۶۲۷

۲۹۔ تفصیل ملاحظہ ہو: جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی ۱/۳۸۱۔ سنن ابوداؤد، کتاب القضاء باب اجتہاد الرای فی القضاء ۳/۳۲

۳۰۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۳/۲۹۴

۳۱۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، باب بیان اجر الحاکم اذا اجتہد ۴/۳۴۷

دے اور غلطی کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

یہ حدیث نہ صرف اجتہاد کے ثبوت میں دلیل ہے بلکہ اجتہاد پر ہر حالت میں اجر وثواب کی نوید بھی دیتی ہے۔

۱۶۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی ترغیب اور اجازت کی بنا پر ہی متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ اکرمؓ نے عہد رسالت میں اجتہاد سے کام لیا۔ مثلاً حضرت عمرو بن العاصؓ کو غزوہ ذات السلاسل کے دوران غسل کی حاجت پیش آگئی۔ وہ ڈرے کہ اگر انہوں نے غسل کیا تو مر جائیں گے۔ انہوں نے تیمم کیا اور ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا دی۔ بعد میں لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! تم نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَاتَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا [النساء ۴:۲۹]

اور اپنے آپ کو ہلاک مت کرو۔ بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور کچھ نہ فرمایا[۳۲]۔

۱۷۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے ایک مرتبہ ساحلِ سمندر پر پڑی مردار مچھلی کا گوشت کھانے کا فتویٰ دیا۔ پورے لشکر نے اس مچھلی کا گوشت کھایا۔ بعد میں مدینہ پہنچنے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کا بھیجا ہوا رزق ہے، کھاؤ۔ اگر تمہارے پاس ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ کسی نے آپ کو لا کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا[۳۳]۔

عہد نبوی میں نزولِ وحی کے ہر وقت امکان کے باوجود اجتہادات صحابہؓ کے جو واقعات ملتے ہیں اس کی ایک وجہ شاید یہ تھی کہ بندوں کے مصالح کی حفاظت ہو۔ شریعت کا مقصد مصالح کا حصول ہے۔ اگر عہدِ رسالت میں صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی اجازت نہ ہوتی اور ہر مسئلہ میں اور ہر جگہ پر وحی کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہوتا تو ممکن تھا کہ کئی ناگزیر اور ضرورت کے حالات میں انسانی مصالح کا حرج اور نقصان ہو جاتا اور یہ بات شریعت کے مقاصد سے متصادم ہے۔

تعاملِ صحابہؓ

۱۸۔ عہد رسالت کے بعد بھی صحابہ کرامؓ کا اجتہاد پر تعامل ثابت ہے۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کلالہ (جس کا نہ باپ ہو اور نہ بیٹا) کی میراث کے بارے میں اجتہاد سے حکم دیا[۳۴]۔

۳۲۔ سنن ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب اذا خاف الجنب البرد ۱/۱۵۰

۳۳۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ سیف البحر ۲/۶۶۲

۳۴۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۳/۳۰۰

۱۹۔ حضرت عمرؓ نے دادا کی میراث کے مسئلہ پر اجتہاد سے فیصلہ دیا[۳۵]۔

۲۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس عورت کے بارے میں جس کا خاوند مہر متعین ہونے اور صحبت کرنے سے قبل فوت ہو گیا تھا، یہ فیصلہ دیا کہ اس عورت کو مہر مثل ملے گا، وہ میراث کی حقدار ہوگی اور عدت گزارے گی[۳۶]۔ بعد میں جب حضرت ابن مسعودؓ کو معلوم ہوا کہ ان کا فیصلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق نکلا ہے تو وہ بہت خوش ہوئے تھے۔

مندرجہ بالا واقعات بطور مثال درج کیے گئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عہدِ صحابہ کرامؓ میں اجتہاد ایک مسلسل عمل تھا جو کثرت سے جاری رہا۔

اجماعِ اُمت

۲۱۔ ملّتِ اسلامیہ اجتہاد کے جواز پر ہمیشہ متفق رہی ہے۔ کسی دور میں بھی اجتہاد کی مشروعیت اور حجیت کی مخالفت نہیں کی گئی۔ امتِ مسلمہ کے مختلف فقہی مذاہب کے مابین استنباطِ احکام کے بعض دلائل مثلاً قیاس، استحسان اور مصلحہ مرسلہ وغیرہ کی حجیت میں تو اختلاف پایا جاتا ہے مگر نفسِ اجتہاد پر کسی کا اختلافی قول نہیں ہے۔ جو قیاس سے کام لے رہا ہوتا ہے وہ بھی اجتہاد کرتا ہے، جس نے استحسان پر عمل کیا اس نے بھی اجتہاد کیا اور جو مصلحہ مرسلہ کا قائل ہے وہ بھی اجتہاد کرے گا۔ اس طرح اجتہاد پر اجماعِ امت ہے۔

اجتہاد کا حکم

اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والا اگر کسی مسئلہ میں اجتہاد کر کے حکم پا لیتا ہے تو پھر اس مجتہد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس مسئلہ میں کسی دوسرے مجتہد کی تقلید و اتباع کرے۔ اس بارے میں علماء کا اتفاق ہے[۳۷]۔

اگر کسی اجتہادی مسئلہ کے حکم میں مجتہدین کا اتفاق ہو تو وہ اجماع ہوگا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے[۳۸]۔

شرائطِ اجتہاد

اسلام میں اجتہاد کا حق کسی خاص طبقہ سے مخصوص نہیں ہے۔ اس کا مجاز ہر وہ شخص ہے جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو اور ان شرائط کو پورا کرتا ہو جو اس صلاحیت کے لیے ناگزیر ہیں۔

---

۵ ۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۳۰۱/۳

۶ ۔ سنن ابو داؤد، کتاب النکاح، باب فیمن تزوج ولم یسم صداقا حتی مات ۱۲۶/۲

۷ ۔ المستصفی ۳۸۴/۲۔ جمع الجوامع ۳۲۲/۲۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۴۳۰/۴

۳۸ البحر المحیط ۲۷۶/۸

علمائے اصول فقہ نے اپنی کتب میں بعض شرائط کا ذکر کیا ہے جن کا کسی مجتہد میں پایا جانا ضروری ہے۔ ذیل میں ان شرائط کو بیان کیا جا رہا ہے[۳۹]:

ا۔ قرآن مجید کا علم

اسلامی قانون کا سب سے پہلا اور بنیادی ماٰخذ قرآن مجید ہے۔ مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید اور اس سے متعلقہ علوم سے اچھی طرح واقفیت حاصل کرے۔ خاص طور پر وہ آیات جو احکام سے متعلق ہیں ان کی تفصیلی معرفت لازمی ہے کیوں کہ مسائل کا استنباط انہی آیاتِ احکام سے ہوتا ہے۔ صحیح فہم اور تدبّر والا مجتہد قصص و امثال کی آیات سے بھی حکم مستنبط کر لیتا ہے۔ علماء نے آیات احکام کی تعداد پانچ سو تک بیان کی ہے۔

مجتہد کے لیے قرآن مجید کا حافظ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ آیات کے مواقع و مقامات سے آگاہ ہو۔ زیرِ غور مسئلہ سے متعلق تمام آیات تک اس کی رسائی ہو۔ وہ یہ جانتا ہو کہ کس قسم کی آیات قرآن کے کس مقام پر ملیں گیں اور کس آیت سے وہ کس طرح کا استدلال کر سکتا ہے۔

مجتہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قرآنی علوم سے آگاہ ہو۔ مثلاً آیات کی شانِ نزول، ناسخ و منسوخ، مکی و مدنی آیات اور محکم و متشابہ آیات وغیرہ۔ قرآنی آیات کی تفسیر میں حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین اور دیگر مفسرینِ امّت کے اقوال سے آگاہی بھی ضروری ہے۔ ان علوم سے مجتہد کو آیات کے معانی و مراد اور موقع و محل متعین کرنے میں سہولت ہوگی۔ علم ناسخ و منسوخ کی اہمیت کا اندازہ امام ابن حزمؒ کی اس بات سے لگایا جا سکتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اجتہاد قرآن و سُنّت کے احکامات کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے اس لیے قرآن و سُنّت کو سمجھنے کے لیے ناسخ و منسوخ کا علم جاننا ضروری امر ہے کیوں کہ یہ ایک ایسا علم ہے جو اس بات کا تعین کرتا ہے کہ کون سا حکم پہلے نازل ہوا اور کون سا حکم بعد میں نازل ہوا[۴۰]۔

۲۔ سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم

مجتہد کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ احادیث اور خاص طور پر احکام سے متعلق احادیث کا اچھی طرح عالم ہو۔ سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی قانون کا دوسرا بنیادی ماٰخذ ہے۔ احادیث سے استنباطِ احکام کے لیے یہ ضروری ہے کہ مجتہد علومِ حدیث سے بھی واقف ہو۔ مثلاً صحیح و ضعیف کو پہچاننے اور احادیث کے درجوں کو معلوم کرنے کے لیے روایت اور درایت کے اصول، احادیث کی شانِ ورود، احوال الرجال یعنی راویوں کے اوصاف و خصائل کا علم، جرح و تعدیل (راوی کے ان عیوب کا

۳۹۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۳۹۷/۴ وما بعد۔ المستصفیٰ ۳۵۰/۲ ومابعد۔ ارشاد الفحول ص ۴۱۹ ومابعد۔ اصول الجصاص ۳۶۷/۲۔ الموافقات ۱۰۵/۴ ومابعد۔ کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی ۱۵/۴ ومابعد۔ اجتہاد ص ۳۴۲۔ نفائس الاصول ۳۹۸۸/۹ ومابعد۔ شرح الکوکب المنیر ص ۴۵۹ ومابعد۔ التلویح ۶۷۱/۲۔ البحر المحیط ۲۲۹/۸ ومابعد

۴۰۔ کتاب الناسخ والمنسوخ ص ۱۳۳

اظہار کرنا جو اس کی روایت کو ناقابل قبول بنائیں، جرح کہلاتا ہے اور راوی کو ثقہ قرار دینا تعدیل کہلاتا ہے) کا علم اور احادیث میں نسخ کا علم وغیرہ وغیرہ۔

مجتہد کے لیے تمام احادیث کا حافظ ہونا ضروری نہیں ہے۔ علماء نے احادیث اور خاص طور پر احکام سے متعلق احادیث پر جو کام کیا ہے اس سے آگاہی ضروری ہے۔ راویوں کے احوال اور ان کی عدالت کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کے کیے گئے کام پر انحصار کافی ہے۔

سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرط کے حوالے سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ مجتہد عہدِ رسالت کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی حالات سے بھی آگاہی رکھتا ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد کے رسوم و رواج کو کس طرح اور کس حد تک قبول کیا۔

مجتہد کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن مجید اور سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی نصوص کا عالم ہو۔ قرآن و سُنّت کا باہمی تعلق اتنا مضبوط اور لاینفک ہے کہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے پر ایمان نہیں لایا جا سکتا۔ دونوں ہی وحی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وحی متلو ہے تو دوسری وحی غیر متلو۔ ایک قرآن ہے تو دوسری اس کا بیان اور تفسیر ہے، ایک "الکتاب" ہے تو دوسری "الحکمت" اور "المیزان" ہے۔ قرآن مجید احکام کا بنیادی مصدر ہے۔ سُنّت کو بنیادی مصدر کی حیثیت خود قرآن نے دی ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی کی اطاعت کو لازم ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن و سُنّت دونوں کا علم رکھتا ہو۔ اگر اس نے اپنے اجتہاد میں ان دونوں میں سے کسی ایک پر انحصار کیا اور دوسرے کو ترک کر دیا تو وہ مجتہد نہیں ہے اور نہ ہی اس کا اجتہاد جائز ہوگا۔

مجتہد کے لیے تمام احادیث کی بجائے صرف احکام سے متعلق احادیث جاننے کی شرط ماضی میں مناسب تھی، جب تمام احادیث مدوّن اور شائع نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن آج کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے۔ دنیا بھر کی معلومات ایک انگلی کے اشارے پر اگلے ہی لمحے نظروں کے سامنے ہوتی ہیں۔ اب یہ شرط غور کی متقاضی ہے۔

ہمارا دور جسے انفارمیشن ٹیکنالوجی کا دور کہا جا رہا ہے، اس میں علوم تیزی سے پھیل اور شائع ہو رہے ہیں۔ اب تمام احادیث مدوّن ہو چکی ہیں۔ کتبِ احادیث آسانی سے دستیاب ہیں۔ اس دور میں مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن و سُنّت کی تمام نصوص کے مواقع و مواضع سے آگاہ ہو۔

۳۔ اِجماع سے واقفیت

مجتہد کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ جن مسائل پر صحابہ کرامؓ، تابعین یا بعد میں اُمت کا اِجماع ثابت ہے، ان کو جانتا ہو تاکہ وہ اِجماع کے خلاف فتویٰ دینے سے محفوظ رہے۔ اِجماع سے واقفیت اسی طرح ضروری ہے جس طرح اس کے لیے قطعی نصوص کا علم ضروری ہے تاکہ وہ ان کے خلاف فتویٰ صادر نہ کر سکے۔ البتہ اس شرط میں مجتہد کے لیے سہولت اور تخفیف یہ ہے کہ اس کے لیے تمام مسائل جن میں اِجماع ہو چکا ہے، کا جاننا ضروری نہیں ہے لیکن جس مسئلہ میں وہ اجتہاد کر رہا ہے اس کے

بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کا فتویٰ اجماع کے خلاف نہیں ہے۔

۴۔ اصولِ فقہ کا علم

ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجتہد اصول فقہ کا عالم ہو۔ اصولِ فقہ کا علم مجتہد کے لیے اہم ترین علوم میں سے ہے۔ اس علم کے ذریعہ مجتہد فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ و دلائل، ان کی ترتیب یعنی استنباطِ احکام کے لیے پہلے کن دلائل کی طرف رجوع کیا جائے گا اور کن دلائل کی طرف بعد میں اور ان دلائل سے استنباط احکام کے طریقوں سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ نیز وہ شرعی دلائل کی نصوص کے الفاظ و معانی پر ان کی دلالت اور تعارض و ترجیح کے اصولوں سے واقف ہو جاتا ہے۔

اصول فقہ کے علوم میں سے ایک علم قیاس ہے۔ اس کے ارکان و شرائط سے آگاہی ہوتی ہے۔ رائے اور اجتہاد میں قیاس ایک اہم طریقہ ہے۔ فقہ کا معتدبہ حصہ قیاس پر مبنی ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا ہے:

من لم يعرف القياس فليس بفقيه(۴۱)

جو قیاس کو نہیں جانتا وہ فقیہ نہیں ہے۔

۵۔ فقہی احکام سے آگاہی

مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ اس کی نظر فقہی ذخیرہ پر ہو۔ جن مسائل کے احکام کا اب تک استنباط ہو چکا ہے ان کو جانتا ہو۔ اسے صحابہ کرامؓ، تابعین، ائمہ مجتہدین کے اقوال و فتاویٰ، فقہی مذاہب کے احکام اور ان کے دلائل کا علم ہو۔ ان کے علاوہ ایک مجتہد کو معاصر مجتہدین کے اجتہادات سے بھی آگاہی ہونی چاہیے۔ فقہی احکام اور فروع سے معرفت کو شرط نہیں قرار دیا گیا لیکن فقہاء کے اختلافات، ان کے دلائل اور ان کے اسلوبِ اختلاف کا علم ایک مجتہد میں استدلال کا ملکہ پیدا کرے گا اور اجتہاد کرنے کی صلاحیت کو نکھارے گا۔

۶۔ عربی زبان کا علم

فقہ اسلامی کے دو بنیادی مآخذ قرآن مجید اور احادیث کی نصوص اور فقہ اسلامی کا بڑا ذخیرہ عربی زبان میں ہے۔ لہذا مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان اور اس کے قواعد جانتا ہو۔ قرآن اور احادیث کی نصوص کو سمجھے بغیر ان سے احکام کا استنباط مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کی کتب کے تراجم سے اجتہاد کا شوق نہیں فرمایا جا سکتا۔

اجتہاد جیسا اہم کام مجتہد سے یہ مطالبہ تو نہیں کرتا کہ وہ چوٹی کا ماہر لغت اور اس فن میں امام بن جائے، البتہ یہ تقاضا

۴۱۔ الجامع لمسائل اصول الفقہ ص ۴۰۰

ضرور کرتا ہے کہ وہ اتنی عربی زبان جانتا ہو کہ اس کے لیے قرآن اور احادیث کی نصوص کو سمجھنا، ان کے معنی و مراد کو متعین کرنا اور ان سے احکام کا استنباط ممکن ہو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مجتہد کو عربی زبان کا اتنا علم ضرور ہونا چاہیے جس سے عربوں کے خطاب اور عربی زبان میں ان کے طریقوں کو سمجھا جا سکے۔ کلام کے صریح ہونے اور اس کے ظاہر، مجمل، حقیقت و مجاز، خاص و عام، محکم و متشابہ، مطلق و مقید اور اس کے مفہوم مخالف وغیرہ میں تمیز کی جا سکے(۴۲)۔

ایک مجتہد کو عربی زبان پر جتنا زیادہ عبور ہوگا اسی قدر وہ قرآن و سُنّت کی نصوص کے معنی و مراد سمجھنے اور ان سے استنباطِ احکام پر قادر ہوگا۔ عربی زبان کو جانے بغیر قرآن و سُنّت کے معانی معلوم نہیں کیے جا سکتے۔

ایک قاعدہ کلیہ ہے:

مالایتم الواجب الابه فهو واجب

جس چیز کے بغیر واجب پورا نہیں ہوتا وہ چیز بھی واجب ہے۔

اجتہاد کے لیے نصوص قرآنی اور احادیث کو سمجھنا ضروری ہے اور اس کے لیے عربی زبان کا جاننا لازمی ہے۔ عربی زبان کے علم کے بغیر اجتہاد ممکن نہیں ہے۔ مجتہد کے لیے عربی زبان جاننا شرط ہے۔

۷۔ اختلافات کو تطبیق دینے کی صلاحیت

فقہی اقوال کو موقع و محل کے لحاظ سے برمحل منطبق کرنا ایک مستقل کام ہے۔ مجتہد میں اس کام کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو فرمایا:

اتدری ای الناس اعلم؟ قلت الله و رسوله اعلم، قال: اعلم الناس ابصرهم بالحق اذا اختلف الناس وان كان مقصراً فی العمل وان كان يزحف فی استه(۴۳)

کیا تمہیں معلوم ہے کہ بڑا عالم کون ہے؟ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑا عالم وہ ہے جس کو اختلاف کے موقع پر حق کی بصیرت حاصل ہو جائے اگرچہ وہ عمل میں کوتاہی کرنے والا اور گھسٹ کر چلنے والا ہو۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مواقع اختلاف کی معرفت کے لیے تنبیہ ہے(۴۴)۔

۴۲۔ المستصفیٰ ۳۵۲/۲

۴۳۔ الموافقات ۱۶۱/۴

۴۴۔ حوالہ بالا ۱۶۱/۴

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ فتویٰ دینا اس شخص کے لیے جائز ہے جو فتویٰ کے اختلاف کو جانتا ہو۔ پوچھا گیا کہ کیا اختلاف سے اہل الرائے کا اختلاف مراد ہے؟ فرمایا: نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اختلاف، قرآن کے ناسخ و منسوخ کا علم اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ناسخ و منسوخ کے علم کی معرفت(۴۵)۔

۸۔ مقاصدِ شریعت سے واقفیت

امام شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ وہ مجتہد جو درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہو اس میں مندرجہ ذیل دو صفات کا پایا جانا ضروری ہے(۴۶):

۱۔ مقاصدِ شریعت سے مکمل واقفیت۔ اس سے مجتہد کو شارع (اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے تشریعی احکام سے متعلق عام مقاصد سے آگاہی ہو جائے گی۔ شریعت اسلامی کا مقصد بندوں کے لیے مصالح کا حصول اور ان سے مضرت و نقصان کو دور کرنا ہے۔

۲۔ اس واقفیت کے مطابق استنباط کی قدرت۔

۹۔ فقہی اصول و کلیات کا علم

مجتہد کو فقہی اصول و کلیات کا علم بھی ہونا چاہیے۔ ان کے ذریعہ اجتہاد کے دوران پیدا ہونے والی کئی دشواریوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

۱۰۔ بنیادی عقائد کا علم

جیسے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات کا علم، عالم کے حادث ہونے، بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور معجزات وغیرہ کا علم ہونا ضروری ہے۔ لازمی نہیں کہ اس بارے میں علم الکلام کے دقیق اور باریک نکتوں کا علم ہو۔ البتہ اتنا علم ضروری ہے کہ وہ مسلمان رہے(۴۷)۔

۱۱۔ علم الکلام کے احکام اور دلائل سے واقفیت۔

۱۲۔ عقل اور بلوغت بھی شروط اجتہاد میں سے ہیں۔

۴۵۔ الموافقات ۱۶۱/۴

۴۶۔ حوالہ بالا ۱۰۵/۴ ومابعد

۴۷۔ المستصفی ۳۵۱/۲۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۳۹۷/۴

۱۳۔ عدالت

مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو اور عدالت کے منافی امور سے اجتناب کرتا ہو۔ اگر غیر عادل نے فتویٰ دیا تو اس کا فتویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔ عدالت قبولِ فتویٰ کے لیے شرط ہے، اجتہاد کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے(۴۸)۔

۱۴۔ ذوقِ اجتہاد

مجتہد میں اجتہاد کا ذوق بھی ہونا چاہیے۔ ذوقِ اجتہاد کسبی چیز نہیں ہے، یہ عطیہ خداوندی ہے جسے وہ اپنی مشیت کے تحت اپنے خاص بندوں کے قلوب میں القا کرتا ہے۔ ہر عالم و فاضل، قرآن و سُنّت کے علوم کو جاننے والا اور ذہین وفطین شخص مجتہد نہیں ہوتا، بلکہ ان شرائط کے ساتھ ساتھ اس میں ذوقِ اجتہاد بھی ہونا چاہیے۔ یہ ذوقِ اجتہاد قلبِ انسانی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کو قلب کی آنکھ بھی کہا گیا ہے۔ اسی ذوقِ اجتہاد کا اشارہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا [الانفال ۲۹:۸]

مومنو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہارے لیے فیصلہ اور امتیاز کرنے والی قوت پیدا کر دے گا۔

اسی ذوقِ اجتہاد کے بارے میں حضرت علیؓ کا ایک قول ہے۔ حضرت ابو جحیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے سوا کچھ ایسے مضامین لکھے ہوئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا:

لاوالذی فلق الحبة و براء النسمة ما اعلمه الافهما یعطیه الله رجلا فی القرآن(۴۹)

نہیں قسم اس ذات کی جس نے دانے کو شگاف دیا اور جان کو پیدا کیا، مجھ کو ایسی کوئی وحی معلوم نہیں، البتہ فہمِ خاص ضرور ہے جو اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو قرآن میں عطا فرما دیں۔

مجتہد دراصل ایک آنکھ سے شرعی نصوص دیکھتا ہے اور دوسری آنکھ سے انسانی زندگی کے واقعات وتغیرات کا مشاہدہ کرتا ہے اور پیش آنے والے واقعہ سے متعلق زمان و مکان کے تقاضے کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ میں نے شیخ ابن تیمیہؒ سے سنا، انہوں نے فرمایا: میں اور میرے بعض ساتھی جا رہے تھے۔ یہ تاتاریوں کا زمانہ تھا۔ ایک جگہ کچھ تاتاری شراب پی رہے تھے۔ ہمارے ایک ساتھی نے انہیں شراب نوشی سے روکا۔ میں نے اپنے ساتھی کو ایسا کرنے سے منع کیا اور اسے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اس لیے منع کی ہے کہ وہ اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے۔ جب کہ یہاں شراب ان تاتاریوں کو لوگوں کے قتل، اولادوں کو قیدی بنانے اور لوگوں کا مال چھیننے سے روک رہی ہے، لہذا

۴۸۔ المستصفی ۳۵۰/۲۔ البحر المحیط ۲۳۶/۸

۴۹۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب فکاک الاسیر ۱۴۵/۲

ان تاتاریوں کو اس کام (یعنی شراب پینے) میں چھوڑ دو[۵۰]۔

امام ابن تیمیہؒ کا یہ موقف ایک متعین اصول اور ضابطے کے عین مطابق تھا اور وہ یہ ہے: "اھون الشرّین واخف الضررین" یعنی دو برائیوں اور مصیبتوں میں سے نسبتاً آسان برائی اور مصیبت کو اختیار کرنا۔ امام ابن تیمیہؒ بھی تاتاریوں کے شراب نوشی کے گناہ پر اس سے بڑے گناہ قتل وعزت دری کے خوف سے خاموش رہے۔

یہ وہ علوم و شرائط ہیں جن کا جاننا اور پورا کرنا مجتہد مطلق کے لیے ضروری ہے۔ مجتہد مطلق تمام شرعی احکام میں فتویٰ دیتا ہے۔ لیکن جو مجتہد کسی ایک شرعی حکم میں اجتہاد کرے تو اسے متعلقہ علوم کا جاننا کافی ہے۔ مثلاً جس کو قیاس کے علم میں مہارت ہو تو وہ قیاسی مسائل میں فتویٰ دے اگرچہ وہ علم حدیث میں ماہر نہ ہو[۵۱]۔ جمہور اصولیین کے نزدیک اجتہاد میں تجزی جائز ہے[۵۲]۔ اجتہاد میں تجزی کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد کچھ مسائل میں اجتہاد کرنے کی علمی صلاحیت رکھتا ہو اور کچھ میں نہ رکھتا ہو۔ مثلاً ایک مجتہد نکاح و طلاق کے مسائل میں اجتہاد کر سکتا ہو اور میراث کے مسائل میں اسے اجتہاد کی علمی صلاحیت و قدرت حاصل نہ ہو۔ اگر تجزی جائز نہ ہو تو مجتہد پر لازم ہو تا کہ وہ تمام جزئیات کا عالم ہو اور یہ محال ہے کیونکہ علم کی تمام جزئیات کا احاطہ انسان کے بس میں نہیں ہے۔

کیا یہ شرائط اجتہاد کی راہ میں رکاوٹ ہیں؟

شرائطِ اجتہاد کے بارے میں ایک تاثر ہے کہ یہ بہت سخت اور کڑی ہیں جن کا پورا کرنا کسی شخص کے لیے ممکن نہیں ہے اور یہ کہ علماء اسلام نے ان شرائط کو عائد کر کے اجتہاد کا دروازہ عملی طور پر بند کر دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مثلاً علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا ہے:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ انفرادی طور پر اہلِ سُنّت والجماعت نے اجتہاد کی ضرورت سے کبھی انکار نہیں کیا گو جب سے مذاہب اربعہ قائم ہو چکے ہیں عملاً اس کی کبھی اجازت نہیں دی کیونکہ انہوں نے اس پر کچھ ایسی شرطیں لگا دی ہیں جن کا پورا کرنا ناممکن تو کیا سرے سے محال ہے''[۵۳]۔

اصل بات یہ ہے کہ اگر آج ملّتِ اسلامیہ میں ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) سے قبل کے زمانے جیسا اجتہاد نہیں ہو رہا اور اجتہادی صلاحیتوں والے مردانِ کار کا فقدان پایا جاتا ہے تو اس کا سبب یہ شرائط نہیں ہیں۔ خود علامہ محمد اقبالؒ نے مسلمانوں میں فقہی جمود اور اجتہاد کے نہ ہونے کے جو اسباب بیان کیے ہیں وہ کچھ اور ہیں۔

۵۰۔ اعلام الموقعین، فصل فی تغییر الفتویٰ واختلافھا بحسب تغیر الازمنۃ والامکنۃ والاحوال والنیات والعوائد ۳/۳
۵۱۔ کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی ۴/۱۷۔ البحر المحیط ۸/۲۳۸۔ التلویح ۲/۶۷۱
۵۲۔ شرح الکوکب المنیر ص ۴۷۳
۵۳۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، چھٹا خطبہ ''الاجتہاد فی الاسلام'' ص ۲۳۹

اس سلسلے میں انہوں نے مندرجہ ذیل تین اسباب کی نشاندہی فرمائی ہے[۵۴]:

۱۔ معتزلہ کی عقلیت پرست تحریک نے امت مسلمہ کے اذہان میں جو فکری انتشار پیدا کیا اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لیے قدیم طرزِ فکر کے علماء نے یہ قدم اٹھایا کہ شریعت کے قوانین کے اندر سختی پیدا کرتے چلے گئے تاکہ ان کی رائے میں عقلیت کی انتشار انگیز تحریک کے مقابلے میں اجتہاد کا اجتماعی وجود برقرار رہے۔

۲۔ فقہائے متقدمین کی لفظی حیلہ تراشیوں کے ردِعمل میں رہبانی تصوّف پیدا ہوا۔ اس تصوّف نے بہترین قانونی ذہن رکھنے والے افراد کو اپنے حلقہ میں داخل کر لیا، اسلامی ریاست کی باگ ڈور متوسط درجے اور کم عالم افراد کے ہاتھوں میں آگئی۔ اسلام کا نہایت اہم پہلو کہ وہ ایک نظام مدنیت بھی ہے، لوگوں کی نظر سے اوجھل ہوگیا۔ انہوں نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ فقہی مذاہب کے مقلّد ہو جائیں۔ یوں اجتہاد بند ہوگیا۔

۳۔ اسلامی دنیا کے ذہنی مرکز بغداد کی تباہی کا تدارک مسلمانوں نے یوں کیا کہ فقہائے متقدمین کی قانونی تعبیرات کو جوں کا توں برقرار رکھ کر اسلام کی ہیئتِ اجتماعیہ کی حفاظت کی کوشش کی۔ اس اقدام میں وہ ایک حد تک حق بجانب تھے، مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اجتہاد مفقود اور تقلید رواج پا گئی۔

علامہ ابن خلدونؒ اجتہاد نہ ہونے کا ایک سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چاروں مذاہب کے مدوّن ہونے اور ان کی تقلید عام ہونے کے بعد علوم کی اصطلاحات بکثرت قائم ہو گئی تھیں جن کی وجہ سے درجہ اجتہاد تک پہنچنا مشکل تھا۔ اس وقت یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں نااہل (لوگ) فقہ پر ہاتھ ڈال کر بغیر بصیرت تامہ کے فقہ میں بے جا کانٹ چھانٹ اور اضافہ نہ کر دیں، تمام اُمت نے انہی مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کو اپنے لیے فرض کر لیا--- اب اگر کوئی اجتہاد کا دعویٰ کرے بھی تو وہ پیش نہیں چلتا[۵۵]۔

عصر حاضر کے عظیم مسلم مفکر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

''تاتاری یلغار کی وجہ سے ذہانت اور ثقافتی سوتے خشک ہو گئے اور جو اقوام تاتاری اور مغول حکومت کے زیرِ اثر آئیں وہ مسلم اور غیر مسلم فوج کشی کے سامنے ماند پڑ گئیں۔ چنانچہ مسلمان علماء (خاص طور پر عالم اسلام کے مشرقی حصہ کے علماء) نے اس دور میں اجتہاد کے ارتقاء میں رکاوٹ محسوس کی، جس کے اسباب حکام کی سختی کا خوف، سیاسی و انفرادی مصلحتیں اور نفع سے زیادہ نقصان تھے۔ بعض اوقات اجتہاد دین میں تحریف اور اس امت کے جماعتی انحراف کا باعث بنا۔ یہ سب کچھ وقتی تھا اور ابتداء ہی سے اس اصول پر قائم تھا کہ فائدہ کے حصول کی بجائے نقصان کو دور کیا جائے''[۵۶]۔

۵۴۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، چھٹا خطبہ ''الاجتہاد فی الاسلام'' ص ۲۳۰ ومابعد

۵۵۔ مقدمہ ابن خلدون ص ۳۹۰

۵۶۔ فکر و نظر، اپریل/جون ۱۹۸۷ء، مقالہ ''اجتہاد اور فقہی مذاہب کا ارتقاء از مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ ص ۸۰

علامہ صبحی محمصانی لکھتے ہیں:

''تیرہویں صدی عیسوی میں سقوطِ بغداد کے بعد علمائے اہل سُنّت نے مذاہب میں بے جا قطع و برید کے خوف سے باتفاق رائے اجتہاد موقوف کرنے اور صرف چار مذاہب کا اتباع کرنے کا فیصلہ کر لیا''(۵۷)۔

ساتویں صدی ہجری/تیرہویں صدی عیسوی کے بعد ملّتِ اسلامیہ میں اجتہاد نہ ہونے کے اسباب شرائطِ اجتہاد نہیں بلکہ تحریک عقلیت کے فکری حملے، سقوط بغداد کا سانحہ، سیاسی اقتدار سے محرومی، فقہ کا عملی زندگی سے انقطاع، حکمران طبقہ کی فقہی قوانین میں عدم دلچسپی، اخلاقی و فکری انحطاط اور اس طرح اجتہادی صلاحیت والے رجال کا فقدان اور دین میں نااہل افراد کے ہاتھوں بے جا قطع و برید کا خوف فقہی جمود کا سبب بنا۔ اس زمانے کے مسلمانوں نے خود اجتہاد سے انحراف کیا اور جمود پسند ہو گئے۔ چونکہ یہ جمود وقتی، عارضی اور ملّتِ اسلامیہ کے فطری مزاج کے برعکس تھا، لہٰذا کئی متاخرین فقہاء نے تقلید پسندی اور اجتہاد سے انحراف کی روش کو اسلام کی روح کے منافی قرار دیا۔

اس روش کے خلاف زبردست ردِعمل ہوا۔ پانچویں صدی ہجری میں امام ابن حزمؒ، آٹھویں میں امام ابن تیمیہؒ، نوویں میں امام شاطبیؒ، دسویں میں علامہ سیوطیؒ، بارہویں میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، تیرہویں میں علامہ شوکانیؒ اور چودہویں صدی ہجری میں سیّد جمال الدین افغانی، شیخ محمد عبدہؒ اور علامہ رشید رضاؒ وغیرہ پیدا ہوئے جنھوں نے اجتہاد کی اہمیت و افادیت کا احساس دوبارہ بیدار کر دیا۔

علمائے اصول کی پیش کردہ شرائط پر ایک نظر ڈالی جائے تو ان میں سے کوئی شرط بھی غیر اہم اور غیر عقلی معلوم نہیں ہوتی۔ اجتہاد کے لیے ان صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے جو ایک شخص کو اس قابل بنا دیں کہ وہ استخراجِ احکام اور استدلال کے کام کو کماحقہ ادا کر سکے۔ یہ شرائط ان صلاحیتوں کی نشاندہی کرتی ہے۔

اس بحث کو ایک اور زاویہ نظر سے دیکھیں۔ یہ شرائط کسی ایسے فرد یا ادارے کی جانب سے نہیں ہیں جو اجتہاد کے اجازت نامے جاری کرنے کا مجاز ہو یا جس کے پاس ان پر عمل درآمد کے لیے قوت نافذہ ہو جو ان شرائط کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دے اور اس کے اجتہاد کو مسترد کر دے۔ ان شرائط پر اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کا الزام عائد کرنے والوں کو آخر کس بات کا خوف ہے۔ وہ اگر ان شرائط کو ناممکن العمل اور غیر ضروری سمجھتے ہیں تو بصد شوق اجتہاد فرمائیں۔ اپنے اجتہادات کو امّتِ اسلامیہ کے سامنے لائیں۔ ان کے اجتہادات کو وقت کی سان پر پرکھا جائے گا، معیاری ہوا تو اُمت میں رواج پا جائے گا ورنہ رد کر دیا جائے گا۔

غالباً یہ صرف شرعی و فقہی معاملات ہی ہیں جن میں اہلیتِ کار کے لیے مطلوبہ معیار اور شرائط کی مخالفت اور یہ خواہش کی جاتی ہے کہ ہر شخص کو ان میں مداخلت کی اجازت ملنی چاہیے خواہ اس نے اپنی عمر بھر کسی اور شعبہ حیات میں مہارت دکھائی ہو۔

۵۷۔ فلسفہ شریعت اسلام ص ۲۱۴، ۲۱۵

مریضوں کے علاج کے لیے ایک ڈاکٹر کو میڈیکل کونسل سے اجازت نامہ لینا پڑتا ہے۔ کونسل صرف اس شخص کو علاج و نسخے تجویز کرنے کی اجازت دیتی ہے جس کے پاس کم از کم ایم بی بی ایس کی ڈگری ہو اور وہ دیگر شرائط بھی پوری کرتا ہو۔ وکالت کے لیے ضروری ہے کہ وکیل بار کونسل سے لائسنس حاصل کرے۔ یہ لائسنس اسے ملتا ہے جس نے قانون کی تعلیم حاصل کر کے ڈگری لی ہو۔ اسی طرح ڈیم بنانے کے لیے متعلقہ شعبہ کے ماہرین کی طرف ہی رجوع کیا جائے گا۔ ڈاکٹر، وکیل یا کسی اور شعبہ زندگی میں مہارت تامہ رکھنے والے افراد ڈیم بنانے کے کام کے لیے اہل متصور نہیں ہوں گے۔ کیا انسانی مسائل کے شرعی حکم تلاش کرنے کے لیے کسی صلاحیت اور قابلیت کی ضرورت نہیں ہے؟

اگر ان شرائط کا لحاظ نہ رکھا جائے تو ہر شخص مجتہدِ عصر بن جائے گا اور اجتہاد کے ایسے ایسے انوکھے نمونے سامنے آئیں گے کہ اسلام کی اصل شکل پہچاننی بھی مشکل ہو جائے گی۔ ایسا مجتہدِ عصر یہ دعویٰ کرے گا کہ جس طرح سابق مجتہدین نے بعض مسائل میں نصوص کو کسی علت کا معلول سمجھتے ہوئے نص کے ظاہر کو چھوڑ کر باطنی علت پر عمل کیا اور لوگوں کو اس پر فتویٰ دیا اسی طرح اسے ظاہر کے خلاف اجتہاد کرنے کا حق ہے۔ ایسے مجتہدِ عصر کے نزدیک مثلاً وضو کا حکم معلل ہے جس کی علت یہ تھی کہ عرب کے اکثر لوگ اونٹ اور بکریاں چراتے تھے، ان کے ہاتھ اور پاؤں ان جانوروں کے بول و براز کے چھینٹوں سے آلودہ ہو جاتے تھے۔ وہی ہاتھ منہ پر بھی لگ جاتا تھا، اس لیے ان کو وضو کا حکم دیا گیا اور اسی لیے وضو میں دھونے کے لیے اعضا بھی وہی رکھے گئے ہیں جو اکثر آلودہ ہو جاتے تھے۔ لہذا ایسا مجتہد یہ فتویٰ صادر کرے گا کہ چونکہ ہم روزانہ غسل کرتے ہیں، صاف ستھرے مکانوں میں رہتے ہیں اور ہم میں گندگی اور ناپاکی کی وہ علت نہیں پائی جاتی جو عرب کے اونٹ بکریاں چرانے والے لوگوں میں پائی جاتی تھی لہذا ہم پر وضو واجب نہیں ہے (۵۸)۔ یوں اجتہاد کی اہلیت سے عاری لوگوں کے لیے دین ایک مذاق بن جائے گا۔ دین میں اس طرح کے مذاق کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے درست فرمایا ہے:

"اب اس دروازے کا کھولنا لازم ہو چکا ہے لیکن ان شرائط کے ساتھ یہ دروازہ کھل سکتا ہے جو اصول فقہ کی کتب میں مذکور ہیں" (۵۹)۔

اجتہاد کے نام پر ہر قدیم چیز کے درپے ہو جانا اور جدید ایجادات سے مرعوب ہو کر اپنے موروثی علمی سرمایہ میں کیڑے نکالنے شروع کر دینا درست نہیں ہے۔

۵۸۔ اجتہاد اور تقلید ص ۶۳

۵۹۔ فکر و نظر، اپریل جون ۱۹۸۷ء مقالہ "اجتہاد اور فکری مذہب کا ارتقاء" از مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ص ۸۰

کیا کوئی زمانہ مجتہد مطلق سے خالی ہو سکتا ہے؟

جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ کسی زمانہ کا مجتہد مطلق سے خالی ہونا ممکن ہے۔ بعض کے نزدیک ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا۔ اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق نقل کیا گیا ہے کہ حق ان ائمہ اربعہ کے چاروں مذاہب میں منحصر ہو کر رہ گیا ہے اور ان چار مذاہب کے علاوہ کسی اور پر عمل جائز نہیں[۶۰]۔ گویا اب مجتہد مطلق ہونے کا امکان نہیں اور حق چاروں مذاہب میں منحصر ہو جانے کی وجہ سے اب اجتہاد بھی بند ہے۔

لیکن حنابلہ کے نزدیک کسی زمانے کا مجتہد سے خالی ہونا جائز نہیں ہے[۶۱]۔

ائمہ اربعہ کے بعد کسی مجتہد مطلق کے پیدا نہ ہونے کی بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ ائمہ اربعہ کے بعد کئی فقہاء مجتہد مطلق کے درجہ پر پہنچے مثلاً امام ابن حزمؒ (م۴۵۶ھ) وغیرہ۔ امام ابو حنیفہؒ کے اپنے شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ وہ دونوں مجتہد مطلق کے درجے پر فائز تھے۔ یہ بھی غلط فہمی ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک ائمہ اربعہ کے علاوہ کوئی مجتہد مطلق نہیں ہوا۔ ان کے علاوہ بھی مجتہدین مطلق ہوئے مثلاً امام اوزاعیؒ (م۱۵۷ھ)، امام داوٗدؒ (م۲۷۰ھ) اور امام طبریؒ (م۳۱۰ھ) وغیرہ لیکن ان کی فقہ مکمل مدوّن نہیں ہوئی اور رواج نہیں پا سکی۔

اجتہاد نبوت نہیں اور نہ ہی اجتہاد کے بند ہونے اور آئندہ مجتہد مطلق کے نہ ہونے پر کوئی دلیل ہے۔ نبوت بند ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا، لیکن ائمہ اربعہ کے بعد مجتہد مطلق ہوئے ہیں، ان کے ہونے کا امکان ہے اور رہے گا۔

قرآن مجید کی آیت ہے:

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ [النحل ۱۲:۴۳]

اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو۔

یہ آیت ہر زمانے میں اجتہاد کے ہونے اور مجتہدین کی موجودگی کا تقاضا کرتی ہے۔ جب شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر زمانے میں مجتہدین کا وجود ہو تو پھر مجتہد مطلق ہونے کے امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

اجتہاد کا دائرہ کار

تمام قطعیات اجتہاد کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔ یعنی وہ تمام احکام جن کی دلیل میں کوئی صریح قطعی نص موجود ہے، ان میں اجتہاد نہیں ہو سکتا جیسے نماز اور روزہ کی فرضیت اور زنا اور چوری کی حرمت کے احکام وغیرہ، ان کا تعلق قطعیات سے ہے۔

۶۰۔ البحر المحیط ۸/۲۴۱۔ جمع الجوامع ۲/۲۲۷۔ تیسیر التحریر ۴/۲۴۰۔ ارشاد الفحول ص ۴۲۲ ومابعد۔ فواتح الرحموت ۲/۳۹۹۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۴۸

۶۱۔ البحر المحیط ۸/۲۴۰

قاعدہ کلیہ ہے:

لامساغ للاجتهاد فی مورد النص

جہاں نص موجود ہو وہاں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی اجتہاد صریح نص سے ثابت کسی حکم کے خلاف ہوا تو اس اجتہاد کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ قاعدہ کلیہ ہے:

الاجتهاد لا يعارض النص

اجتہاد صریح نص کے خلاف نہیں ہوتا۔

مثلاً قرآن مجید کی آیت ہے:

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا [البقرة ۲:۲۷۵]

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

اس آیت کے ہوتے ہوئے بیع کو ناجائز اور اور سود کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر اجتہاد کر کے سود کو جائز کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہوگی۔

لہٰذا قطعی نصوص سے ثابت احکام میں اجتہاد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایسے احکام کے ثبوت میں جو دلیل ہے وہ قطعی اور صریح ہے جبکہ اجتہاد سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ظن اور گمان پر مبنی ہوتا ہے۔ قطعیت کے مقابلے میں ظن اور گمان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

قطعیات میں اجتہاد کرنے والے نے اگر خطا کی تو گناہ گار ہوگا، حالانکہ اجتہادی مسائل میں خطا کرنے والا اپنے اجتہاد سے گناہ گار نہیں ہوتا[۶۲]۔ اصولیین نے مجتہد فیہ (یعنی وہ مسئلہ جس میں اجتہاد ہو سکے) کی تعریف بھی یوں کی ہے "ہر وہ شرعی حکم جس کے بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو"[۶۳]۔ البتہ ظنیات میں اجتہاد ہوگا یعنی وہ احکام جن کی دلیل تو موجود ہو مگر وہ قطعی نہ ہو بلکہ ظنی ہو، ان میں اجتہاد سے کام لیا جائے گا۔

مثلاً قرآن مجید کی آیت ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ [النور ۲۴:۲]

زنا کار عورت اور زنا کار مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

اس آیت میں زنا کی سزا سو کوڑوں کا حکم قطعی طور پر ثابت ہے۔ ان کوڑوں کی تعداد میں نہ کمی ہو سکتی ہے اور نہ اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا زنا کی سزا (سو کوڑے) اجتہاد کے دائرہ سے خارج ہے۔ البتہ لفظ "جلدة" میں اجتہاد ہو سکتا ہے۔ کوڑے کی نوعیت و ساخت کیا ہو اور کوڑا جسم کے کون سے حصے پر مارا جائے، ان امور میں اجتہاد ہو سکتا ہے کیونکہ ان امور کا تعلق ظنیات سے ہے۔

۶۲۔ المستصفیٰ ۳۵۴/۲۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۳۹۸/۴

۶۳۔ المستصفیٰ ۳۵۴/۲۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۳۹۸/۴۔ نفائس الاصول ۴۰۲۴/۹

ظنی دلائل اور مسائل جن کے بارے میں کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو، ان تمام میں اجتہاد ہو سکتا ہے۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ نہ تو قطعی احکام کو ظنی احکام میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ظنی احکام کو اجتہاد کر کے قطعی احکام کی شکل دی جا سکتی ہے۔

اجتہاد کے مآخذ و ذرائع

مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ زیر غور مسئلہ کا شرعی حکم سب سے پہلے قرآن مجید سے تلاش کرے۔ وہاں سے نہ ملے تو احادیث میں اس کے حکم کو ڈھونڈے۔ احادیث میں اس مسئلہ کے حکم کی عدم دستیابی پر اسلاف یعنی صحابہ کرامؓ، تابعین و ائمہ کرام کے اجماع، فیصلوں اور اقوال کو دیکھے۔ اگر ان سب ذرائع سے اس مسئلہ کا حکم نہ ملے تو پھر وہ شریعت اسلامی کے مجموعی مزاج اور مقاصد کے قریب رہتے ہوئے اپنی رائے سے اجتہاد کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ کرتے وقت حضرت معاذؓ سے جب یہ پوچھا کہ وہ فیصلے کس طرح کریں گے تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا کہ وہ سب سے پہلے قرآن مجید اور پھر سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اگر وہ ان دونوں میں سے کچھ نہیں پائیں گے تو پھر وہ اپنی رائے سے اجتہاد کریں گے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے موقف کی تصویب فرمائی تھی (۶۴)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے جب کوئی تصفیہ طلب معاملہ آتا تو آپ اس کا حل سب سے پہلے قرآن مجید میں تلاش کرتے۔ اگر مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اگر قرآن مجید میں اس کا حکم نہ ملتا تو پھر سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کرتے۔ اس میں مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ اگر آپ خود اس مسئلہ کا حل تلاش نہ کر سکتے تو پھر آپ لوگوں سے پوچھتے کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ میں کوئی فیصلہ فرمایا ہے؟ اگر آپ کو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت نہ ملتی تو آپ اہلِ علم کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب فرماتے۔ جب وہ کسی ایک رائے پر جمع ہو جاتے تو حضرت ابوبکرؓ اس کے مطابق فیصلہ دے دیتے (۶۵)۔

حضرت عمرؓ کسی مسئلہ کا حکم کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ پاتے تو آپ لوگوں سے پوچھتے کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس مسئلہ کے بارے میں کوئی فیصلہ دیا ہے؟ اگر انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا فیصلہ مل جاتا تو اس کے مطابق عمل کرتے۔ اگر آپ کو حضرت ابوبکرؓ کے فیصلوں سے مدد نہ ملتی تو علماء کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب فرماتے، جب وہ

۶۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی ۱/۲۸۱۔ سنن ابو داؤد، کتاب القضاء، باب اجتہاد الرای فی القضاء ۲/۳ ۷

۶۵۔ اعلام الموقعین ۱/۴۹

کسی رائے پر جمع ہو جاتے تو حضرت عمرؓ اس کے مطابق فیصلہ فرماتے (۶۶)۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو خط لکھا تھا اس کے مندرجات سے بھی اس بات کی رہنمائی ملتی ہے کہ کسی مسئلہ کا حکم تلاش کرنے کے لیے ایک مجتہد کے سامنے کیا ترجیحات ہونی چاہئیں۔

حضرت عمرؓ نے لکھا:

"اگر کوئی قضیہ ایسا آن پڑے کہ اس کے بارے میں قرآن اور سُنّت میں کچھ نہ پاؤ تو پھر غور و خوض کر کے اپنی فہم و فراست سے کام لو اور ان حالات میں امور کا قیاس کرو اور مثالوں کو پہچان لیا کرو۔ پھر جو چیز اللہ کی محبت کے زیادہ قریب اور حق کے زیادہ نزدیک نظر آئے اس پر اعتماد کرو"(۶۷)۔

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ قاضی شریح کو لکھا:

"جب تم اللہ کی کتاب میں کوئی چیز پاؤ تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور کتاب اللہ کے علاوہ کسی اور طرف متوجہ نہ ہو۔ اگر تمہارے پاس ایسا مسئلہ آئے جو کتاب اللہ میں نہ ہو تو سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر تمہارے پاس ایسا مسئلہ آ جائے جو نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرو جس پر لوگوں کا اجماع ہو۔ اگر تمہارے پاس ایسا مسئلہ آ جائے جو نہ کتاب اللہ میں ہو، نہ سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو اور نہ ہی اس بارے میں تم سے پہلے کسی نے رائے دی ہو تو اگر تم اپنی رائے سے اجتہاد کرنا چاہتے ہو تو کرو اور اگر تم اس مسئلہ کو متاخر کرنا چاہتے ہو تو متاخر کر دو اور میں سمجھتا ہوں کہ متاخر کرنا تمہارے لیے بہتر ہے"(۶۸)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: "تم میں سے جس کے سامنے کوئی قضیہ آئے تو کتاب اللہ کے مطابق اس کا فیصلہ کرے۔ اگر کتاب اللہ میں نہ پائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس قضیہ کا فیصلہ کرے۔ اگر کوئی ایسا معاملہ آ جائے جس کے بارے میں کتاب اللہ میں کچھ نہ ہو اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں فیصلہ فرمایا ہو تو صالحین کے فیصلہ کے مطابق حکم دے۔ اگر اس معاملہ میں کتاب اللہ، سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صالحین سے کوئی حکم نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرے"(۶۹)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جب کسی چیز کے بارے میں پوچھا جاتا تو اگر کتاب اللہ میں اس کے متعلق کوئی حکم ہوتا تو اسے بیان فرما دیتے۔ اگر کتاب اللہ میں نہ ہوتا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی حکم پاتے تو حضرت ابن عباسؓ حکمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما دیتے۔ اگر کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا حکم نہ ملتا اور

۶۶۔ اعلام الموقعین ۱/۴۹-۵۰

۶۷۔ حوالہ بالا ۱/۸۶

۶۸۔ حوالہ بالا ۱/۳۹

۶۹۔ حوالہ بالا ۱/۵۱

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اس چیز کے بارے میں کچھ فرمایا ہوتا تو اسے بیان کر دیتے۔ اگر قرآن و سُنّت میں کچھ نہ ہوتا اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی کچھ نہ مروی ہوتا تو اپنی رائے سے اجتہاد فرماتے (۷۰)۔

امام شافعیؒ نے ایک عمدہ قول فرمایا ہے:

انما یوخذ العلم من اعلیٰ (۷۱)

علم زیادہ بلند درجہ سے حاصل کیا جائے گا۔

امام غزالیؒ نے امام شافعیؒ کے مندرجہ بالا قول کی تشریح میں فرمایا ہے کہ مجتہد کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہو تو وہ سب سے پہلے قرآن مجید کی نصوص سے اس مسئلہ کا حل ڈھونڈے۔ اگر اس میں مسئلہ کا حکم نہ ملے تو پھر خبر متواتر اور پھر خبر آحاد سے تلاش کرے۔ اگر ان میں بھی حکم نہ ملے تو پھر قیاس سے کام نہ لے بلکہ قرآن مجید کے ظواہر کی طرف متوجہ ہو۔ اگر اسے قرآن مجید سے کوئی ظاہر مل جائے اور اس ظاہر کا مخصص (تخصیص کرنے والا) بھی موجود نہ ہو تو پھر اس ظاہر کے مطابق مسئلہ زیرِ غور پر حکم لگائے۔ اگر اسے قرآن مجید کے ظاہر اور سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کا حکم نہ ملے تو پھر فقہی مذاہب کی طرف رجوع کرے۔ اگر اس مسئلہ پر فقہاء کا اجماع ثابت ہو تو اسے اختیار کر لے۔ اگر اس مسئلہ پر اجماع نہ پائے تو پھر قیاس سے کام لے۔ اس میں قواعد کلیہ کا لحاظ کرے اور انہیں جزئیات پر مقدم جانے۔ اگر کوئی قاعدہ کلیہ نہ ملے تو نصوص کو اور اجماع کے مواقع کو دیکھے۔ اگر ان میں کوئی حکم ملے تو اسے اختیار کرے ورنہ قیاسِ مخیل سے کام لے۔ اگر اس سے بھی عاجز ہو تو پھر شبہ (یعنی مشابہت) سے کام لے اور اس سے نیچے نہ جائے (۷۲)۔

قیاس کی اقسام میں سے ایک قیاسِ شبہ ہے جس میں فرع کو اصل کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت ہونے کی وجہ سے فرع پر اصل کا حکم نافذ کر دیا جاتا ہے۔

اجتہاد کی اقسام

اجتہاد کی تین صورتیں یہ ہو سکتی ہیں (۷۳):

۱۔ توضیحی اجتہاد

اس اجتہاد میں قرآن مجید کی آیت یا حدیث کے الفاظ کے معنیٰ و مفہوم متعین کر کے اور موقع و محل کو مدنظر رکھ کر مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔

۷۰۔ اعلام الموقعین ۵۱/۱

۷۱۔ البحر المحیط ۲۶۷/۸

۷۲۔ حوالہ بالا ۲۶۷/۸

۷۳۔ اجتہاد ص ۳۷ ومابعد

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں عراق اور شام فتح ہونے کے بعد اراضی کی تقسیم میں صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف ہوا اور اس مسئلہ پر ان کے دو گروہ بن گئے (۷۴)۔

۱۔ پہلے گروہ کی رائے یہ تھی کہ اراضی فوجیوں میں تقسیم کر دی جائے۔ اس گروہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہ شامل تھے۔

۲۔ دوسرے گروہ کا موقف یہ تھا کہ زمین تقسیم نہ کی جائے بلکہ اصل باشندوں کے پاس ہی رہنے دیا جائے۔ یہ رائے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ وغیرہ کی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ [الانفال ۸:۴۱]

اور جان رکھو کہ کسی چیز سے جو کچھ تمہیں غنیمت ملے اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اہل قربت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں اور مسافروں کا ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

پہلے گروہ کا استدلال یہ تھا کہ اس آیت میں مالِ غنیمت کے خمس (پانچواں حصہ) کا حکم اور مصارف بیان ہوئے ہیں اور بقیہ چار حصے فاتح لشکر کے فوجیوں کے لیے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر، بنو قریظہ اور بنو نضیر کی زمینیں فوجیوں میں تقسیم کر دی تھیں۔

صحابہ کرامؓ کا دوسرا گروہ جو عراق و شام کی اراضی کی تقسیم کے خلاف تھا، اس کا استدلال یہ تھا کہ اس آیت میں صرف خمس کا حکم و مصارف بیان کیے گئے ہیں اور مالِ غنیمت کے بقیہ چار حصوں کے حکم و مصارف کے بارے میں یہ آیت خاموش ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ریاست اگر چاہے تو مفادِ عامہ کی خاطر اراضی کو فوجیوں میں تقسیم کر دے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر، بنو قریظہ اور بنو نضیر کی اراضی فوجیوں میں تقسیم کر دی تھی اور ریاست چاہے تو یہ زمین تقسیم نہ کرے اور اسے اصل باشندوں کے پاس ہی رہنے دے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا ایک حصہ اہل خیبر کے پاس ہی رہنے دیا تھا اور جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مکہ کی پوری اراضی اہل مکہ ہی کے پاس رہنے دی تھی۔

صحابہ کرامؓ کے دونوں گروہ تقسیم اراضی کے مسئلہ پر اپنے اپنے دلائل کے ساتھ قائم رہے اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

پھر جب حضرت عمرؓ نے اپنی رائے کی تائید میں مندرجہ ذیل آیات فئے سے استدلال کیا:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ

۷۴۔ کتاب الخراج ص ۳۵

یُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَايَجِدُوْنَ فِي صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِي قُلُوْبِنَا غِلًّالِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ [الحشر ۵۹:۸،۹،۱۰]

(اور مال فے) ان مفلسان تارک الوطن کے لیے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیئے گئے ہیں (اور) اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں۔ یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔ اور (ان لوگوں کے لیے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینہ) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس میں سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔ اور جو شخص حرصِ نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔ اور (ان کے لیے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

حضرت عمرؓ نے یہ استدلال فرمایا کہ مال غنیمت میں صرف فوجیوں ہی کا حق نہیں مذکور ہے بلکہ اس میں موجودہ و آئندہ غیر فوجیوں کو بھی شریک کیا ہے۔ مال غنیمت کے کل شرکاء مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یتیم، مسکین اور مسافر۔
۲۔ مفلس مہاجرین۔
۳۔ مدینہ کے باشندے جو پہلے سے ایمان لا کر مدینہ میں قیام پذیر ہیں۔
۴۔ بعد کے مسلمان۔

یہ آیات مال غنیمت کی تقسیم میں فوجیوں اور غیر فوجیوں کی تخصیص نہیں کرتیں بلکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مذکورہ بالا تمام لوگوں کو بھی اس مال میں حصہ دار بنایا گیا ہے۔

اس طرح حضرت عمرؓ نے آیات فےُ (للفقراء المهاجرين) کی روشنی میں اجتہاد کر کے مالِ غنیمت والی آیت (واعلموا انما غنمتم۔۔۔) کی توضیح فرمائی جس سے لوگوں کو آیتِ غنیمت کا موقع ومحل متعین کرنے میں سہولت ہوئی۔

تمام صحابہ کرامؓ نے حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے اتفاق کیا اور طے پایا کہ عراق و شام کی اراضی اسلامی لشکر کے فوجیوں میں تقسیم نہ ہو بلکہ وہاں کے اصل باشندوں کے پاس ہی رہنے دی جائے۔

۲۔ استنباطی اجتہاد

اجتہاد کی اس شکل میں مزید غور و فکر کر کے علّت تلاش کی جاتی ہے اور پھر اس علّت کی بنیاد پر مسئلہ کا حل ڈھونڈا جاتا ہے۔ مثال:

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جن ابتدائی مسائل سے دوچار ہونا پڑا ان میں سے ایک مسئلہ مانعین زکوٰۃ کا تھا۔ دُور دراز کے قبائل جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور تربیتِ نبوی سے فیض یاب نہ تھے، ان میں سے بعض نے حرص و بخل کی وجہ سے اور بعض نے ریاست کی مرکزی حکومت سے عدم تعاون کرتے ہوئے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ بات اسلام کے ایک رکن کا انکار اور اسلامی ریاست سے بغاوت کے مترادف تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کرنے کا اعلان فرمایا۔ آپ نے اپنے اس اقدام کی دلیل قرآن و سُنّت سے حاصل کی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ [التوبۃ ۹:۵]

اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو یعنی ان سے تعرض نہ کرو۔

یہ آیت فرضیت کے اعتبار سے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتی۔ ان دونوں فرائض کے پائے جانے کی صورت میں ہی "فخلوا سبیلھم" (ان سے تعرض نہ کرو) کا حکم باقی رہے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلہ بنو ثقیف کا وفد حاضر ہوا۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں جو شرائط پیش کیں ان میں ایک شرط یہ تھی کہ انہیں نماز میں چھوٹ دے دی جائے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاخیر فی دین لیس فیہ رکوع [۷۵]

ایسے دین میں خیر نہیں جس میں نماز نہ ہو۔

مندرجہ بالا نصِ قرآنی اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دلیل بناتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کیا اور اس شخص کے خلاف جہاد کیا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کی۔ آپؓ نے فرمایا:

واللہ لأ قاتلنّ من فرّق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ [۷۶]

اللہ کی قسم میں اس کے خلاف ضرور جنگ کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کی۔

۷۵۔ سنن ابو داؤد، کتاب الخراج والفیء والامارۃ، باب ماجاء فی خبر الطائف ۲/۴۵۶

۷۶۔ طبقات الفقہاء ص ۳۷

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مزید فرمایا کہ اگر لوگ نماز، روزہ اور حج کو ترک کرنے کا بھی مطالبہ کرنے لگیں تو پھر اسلام کی ہر گرہ کھل جائے گی (۷۷)۔

یہاں ترکِ صلوٰۃ کے مطالبہ پر قتال کے وجوب کی علت اسلام کے ایک رکن نماز سے دستبرداری کا مطالبہ ہے۔ یہ علت جس طرح ترکِ نماز میں پائی جاتی ہے اسی طرح زکوٰۃ، روزہ اور حج کے ترک کرنے میں بھی پائی جاتی ہے۔ لہذا جس طرح ترکِ صلوٰۃ کے مطالبہ پر وجوبِ قتال کا حکم نافذ ہوگا اسی طرح زکوٰۃ، روزہ اور حج ترک کرنے پر بھی وہی حکم نافذ ہوگا جو ترکِ صلوٰۃ پر ہے۔

۳۔ استصلاحی اجتہاد

یہ اجتہاد کی وہ قسم ہے جس میں شریعت اسلامی کی روح اور انسانوں کی مصلحت کو بنیاد بنا کر پیدا شدہ مسائل کا حل نکالا جاتا ہے۔

مدینہ کے قریب اہلِ مدینہ کی ملکیت میں ایک چراگاہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے مصلحتِ عامہ کی خاطر اس چراگاہ کو بلامعاوضہ سرکاری تحویل میں لے لیا۔ حالانکہ اہلِ مدینہ مسلمان تھے اور ریاست کو عمومی طور پر ان کے اموال میں دست اندازی کی اجازت نہیں ہونی چاہیے تھی۔ مدینہ کے ایک بدوی نے اس واقعہ پر حضرت عمرؓ سے شکایت بھی کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا:

''خدا کی قسم! جانوروں والے سمجھتے ہیں کہ میں نے (سرکاری چراگاہ محفوظ کرنے سے) ان پر ظلم کیا ہے۔ یہ شہر انہی لوگوں کے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں انہی لوگوں نے اپنے ان شہروں کے لیے جانیں دیں اور اسی زمین پر وہ اسلام لائے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میری سپردگی میں جہاد کے جانور نہ ہوتے جن پر میں مجاہدوں کو سوار کرتا ہوں تو میں ان کی بالشت بھر زمین بھی محفوظ نہ کرتا'' (۷۸)۔

علامہ ماوردیؒ کی تقسیم

علامہ زرکشیؒ اور علامہ شوکانیؒ وغیرہ نے علامہ ماوردیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجتہاد کی آٹھ اقسام ہیں (۷۹):

۱۔ وہ اجتہاد جس میں قرآن وسنت کی نص سے علت معلوم کر کے حکم کا استخراج کیا جائے، جیسے سود کی علت نکال کر دیگر اشیاء پر سود کے حکم کا اطلاق کرنا۔

۷۷۔ الاحکام السلطانیہ ص ۷۳

۷۸۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب اذا اسلم قوم فی دار الحرب ۱/۴۲۹

۷۹۔ البحر المحیط ۲۷۰/۸، ۲۷۱۔۲۷۲۔ ارشاد الفحول ص ۴۳۲، ۴۳۳

۲۔ نص سے مشابہت کی بنا پر ایک چیز کو دوسری چیز پر قیاس کر کے حکم کا استخراج کرنا۔

۳۔ وہ اجتہاد جو نص کے عموم سے کیا جائے۔ جیسے قرآن مجید کی آیت ہے:

اَوْيَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ [البقرة ۲:۲۳۷]

یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا اختیار ہے۔

اس آیت میں لفظ "بیدہ عقدۃ النکاح" میں عموم ہے جس سے شوہر اور قاضی دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

۴۔ وہ اجتہاد جو نص کے اجمال سے حکم کا استخراج کرنے کے لیے ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ [البقرة ۲:۲۳۶]

اور ان کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور دو۔ مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق۔

زوجین کے حسب و حال کے مطابق نفقہ کی مقدار میں اجتہاد کرنا جائز ہے۔

۵۔ ایسا اجتہاد جس میں نص سے حکم کا استخراج مختلف احوال کی روشنی میں کیا جائے۔ جیسے قرآن مجید کی آیت ہے:

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ [البقرة ۲:۱۹۶]

تین روزے ایامِ حج میں رکھے اور سات جب واپس ہو۔

اگر کوئی شخص حج میں قربانی نہ کر سکے تو دس دن روزے رکھے، تین زمانہ حج میں مکہ میں قیام کے دوران اور سات دن اس وقت روزے رکھے جب واپس لوٹے۔ واپس لوٹنے میں دونوں صورتوں کی گنجائش ہے یعنی وہ روزے راستے ہی میں رکھ لے یا گھر آ کر رکھے۔

۶۔ وہ اجتہاد جس میں نص کی دلالت سے حکم تلاش کیا جائے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ [الطلاق ۶۵:۷]

وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے۔

یہ بات سُنّت سے ثابت ہے کہ صاحبِ حیثیت وہ ہے جس کے پاس ایک مسکین کو دینے کے لیے دو مد (ایک مد ایک کلو تقریباً) کے برابر اناج ہو۔ جو صاحب حیثیت نہیں ہے اس کے نفقہ کا اندازہ اجتہاد سے کیا جائے گا اور وہ ایک مد اناج ہے[۸۰]۔

۷۔ وہ اجتہاد جو نص کی علامات سے حکم کا استنباط کرنے کے لیے کیا جائے، جیسے کسی شخص کو رات کے وقت قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو تو وہ ستاروں اور پہاڑوں وغیرہ سے سمت معلوم کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ [النحل ۱۶:۱۶]

۸۰۔ یہ وہ کم از کم مقدار ہے جو رمضان المبارک میں وطی کے کفارہ کے طور پر ایک مسکین کو دینے کے لیے احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: بلوغ المرام شرح از مولانا صفی الرحمان مبارکپوری ۱/۴۴۴

اور لوگ ستاروں سے بھی راستے معلوم کرتے ہیں۔

۸۔ وہ اجتہاد جو نص کی بنیاد پر نہ ہو اور نہ کسی اصل پر ہو۔ ایسے اجتہاد کی صحت میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اگر اجتہاد کسی اصل پر مبنی ہو تو صحیح ہے، ورنہ صحیح نہیں ہے۔ بعض نے کہا کہ ایسا اجتہاد درست ہے کیونکہ شروع میں اس کی کوئی نہ کوئی اصل ہوگی۔

مزید دیگر اقسام

مختلف اعتبار سے اجتہاد کی مندرجہ ذیل گیارہ اقسام ہیں (۸۱):

۱۔ جہد و کوشش صرف کرنے کے اعتبار سے

۱۔ اجتہاد تام: یہ وہ اجتہاد ہے جس میں مجتہد محسوس کرے کہ وہ مزید تحقیق، تلاش اور غور و فکر کرنے سے عاجز ہے۔

۲۔ اجتہادِ ناقص: جس اجتہاد میں تحقیق اور تلاش کے اعتبار سے کمی و نقص پایا جائے۔ ایسا اجتہاد شرعی طور پر غیر معتبر ہے۔

۲۔ مجتہد کے اعتبار سے

۱۔ اجتہاد مطلق: جس میں مجتہد کسی خاص امام کے اصول اور فروع کی پابندی نہ کرے۔

۲۔ اجتہاد مقید: جس میں مجتہد کسی معیّن امام کے اصول یا اس کی فروع کا پابند رہے۔

۳۔ موقع و محل کے اعتبار سے

۱۔ اجتہادِ عام: جو فقہ کے تمام ابواب میں اور تمام دلائلِ شرعیہ کے ساتھ کیا جائے۔

۲۔ اجتہادِ خاص: جو فقہ کے کسی خاص باب کے بارے میں ہو جیسے میراث یا جو دلائل شرعیہ میں سے کسی ایک دلیل مثلاً قیاس کے ذریعہ کیا جائے۔

۴۔ حکمِ تکلیفی کے اعتبار سے

۱۔ اجتہاد فرضِ عین: جب کسی مرتبہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے شخص سے کسی واقعہ کا حکم پوچھا جائے یا وہ شخص خود کسی ایسے مسئلہ سے دوچار ہو جائے جس کے بارے میں وہ حکمِ الٰہی نہ جانتا ہو اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص پایا نہ جاتا ہو۔ ان دونوں حالتوں میں ایسے مجتہد پر فرض ہے کہ وہ شرعی دلائل میں غور و خوض کر کے اس مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی کوشش بروئے کار لائے۔

۸۱۔ المستصفی ۳۵۰/۲۔ البحر المحیط ۲۳۹/۸

۲۔ اجتہاد فرض کفایہ: اگر مجتہدین زیادہ تعداد میں ہوں جن کی طرف شرعی مسائل کے احکام سے متعلق رجوع کیا جاسکے تو اس صورت میں اگر کسی ایک مجتہد نے کسی مسئلہ پر فتویٰ دے دیا تو دیگر تمام مجتہدین اس ذمہ داری سے بری ہو جائیں گے۔ اگر کسی نے بھی اس مسئلہ کے حکم کی تلاش میں کوشش نہ کی اور فتویٰ نہ دیا تو سب مجتہدین گناہ گار ہوں گے۔

۳۔ اجتہادِ مباح: یہ اس کوشش کے صرف کرنے کا نام ہے جو ان حوادث کے شرعی احکام معلوم کرنے کے لیے کی جائے جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے، لیکن ان کے رونما ہونے کا مستقبل قریب میں امکان ہو۔

۴۔ اجتہادِ مکروہ: ان فرضی مسائل میں اجتہاد جو عادتاً اور عموماً وقوع پذیر نہیں ہوتے۔ ایسے مسائل کی تلاش میں مشغول ہونا مکروہ ہے۔

۵۔ اجتہادِ حرام: ان مسائل میں اجتہاد کرنا جن کے حکم کے ثبوت میں قرآن یا سنّت کی قطعی نصوص موجود ہوں یا وہ حکم اجماع سے ثابت ہو۔ قطعی نص یا اجماع کی موجودگی میں اجتہاد جائز نہیں ہے۔

مجتہدین کی اقسام

علامہ ابن کمال پاشاؒ (م۹۴۰ھ) نے دائرہ کار کے اعتبار سے مجتہدین کی مندرجہ ذیل اقسام بیان کی ہیں[۸۲]

۱۔ مجتہد فی الشرع

اسے مجتہد مطلق اور مجتہد مستقل بھی کہا گیا ہے۔ یہ کسی خاص فقہی مذہب کا بانی ہوتا ہے۔ وہ اپنے مقرر کردہ اصول و قواعد پر دلائل شرعیہ سے مسائل کے احکام کا استنباط کرتا ہے۔ وہ اصول و فروع میں کسی دوسرے کی تقلید نہیں کرتا۔ مثلاً حنفی مذہب کے بانی امام ابو حنیفہؒ (م۱۵۰ھ)، مالکی مذہب کے بانی امام مالکؒ (م۱۷۹ھ)، شافعی مذہب کے بانی امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ)، حنبلی مذہب کے بانی امام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۱ھ)، امام سفیان ثوریؒ (م۱۲۱ھ)، امام ابن ابی لیلیٰؒ (م۱۴۸ھ)، امام اوزاعیؒ (م۱۵۷ھ)، امام داؤدؒ (م۲۷۰ھ)، امام شعبیؒ (م۲۴۰ھ) اور امام طبریؒ (م۳۱۰ھ) وغیرہ۔

اوّل الذکر چاروں آئمہ کے سوا دیگر اماموں کے مذاہب مرور زمانہ کے ساتھ متروک ہو چکے ہیں۔ جعفری مذہب کے امام جعفر صادقؒ (م۱۴۸ھ) بھی مجتہدین کے اس پہلے طبقہ میں شامل ہیں۔

۲۔ مجتہد فی المذہب

یہ مجتہد منتسب بھی کہلاتا ہے۔ وہ کسی مذہب کا بانی نہیں ہوتا بلکہ اپنے امام کے وضع کردہ اصول و قواعد پر مسائل کے احکام کا استنباط کرتا ہے۔ اصول و قواعد میں اس کا اپنے امام سے اختلاف نہیں ہوتا۔ البتہ وہ فروعی مسائل میں کسی کا مقلد نہیں ہوتا

۸۲۔ غایۃ السعایہ ۱/۱۱۵ ومابعد

بلکہ ذاتی اجتہاد سے فروعی مسائل کا استخراج کرتا ہے۔ مثلاً حنفی مذہب میں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ (م۱۸۲ھ)، امام محمدؒ (م۱۸۹ھ) اور امام زفرؒ (م۱۵۸ھ)۔ مالکی مذہب میں امام ابن عبدالبرؒ (م۱۸۲ھ)، امام ابوبکر ابن العربیؒ (م۵۴۳ھ) اور امام ابن القاسمؒ (م۱۹۱ھ)۔ شافعی مذہب میں امام مزنیؒ (م۲۶۴ھ)، امام ابن الصلاحؒ (م۶۴۳ھ)، امام ابن دقیق العیدؒ (م۷۰۲ھ)، امام تقی الدین سبکیؒ (م۷۵۶ھ) اور امام تاج الدین سبکیؒ (م۷۷۴ھ) وغیرہ۔ حنبلی مذہب میں سے کوئی مجتہد فی المذہب نہیں گزرا۔

۳۔ مجتہد فی المسائل

ایسا مجتہد صرف ان فروعی مسائل میں اپنے اجتہاد سے کام لیتا ہے جن میں اس کے امام سے کوئی روایت نہ ملتی ہو۔ وہ اصول و فروع میں اپنے مذہب کے امام کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ صاحبِ مذہب کے مقرر کردہ اصول و قواعد کے مطابق نئے مسائل کے احکام کا استنباط کرتا ہے۔ مثلاً حنفی مذہب میں امام طحاویؒ (م۳۲۱ھ)، امام کرخیؒ (م۳۴۰ھ)، شمس الائمہ سرخسیؒ (م۴۹۰ھ) اور فخر الاسلام بزدویؒ (م۴۸۲ھ)۔ شافعی مذہب میں امام غزالیؒ (م۵۰۵ھ) وغیرہ۔

۴۔ مجتہد مقیّد

اسے صاحبِ تخریج بھی کہتے ہیں۔ یہ اپنے امام کے اصول و آراء کا پابند ہوتا ہے۔ اس میں اجتہاد والی صلاحیت نہیں ہوتی البتہ وہ اپنے مذہب کے اصول، احکام کی حقیقت و منشا اور ان کے دلائل کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ مجتہد مقیّد کا کام مجمل قول کی تفصیل کرنا اور ایک سے زیادہ جہتیں رکھنے والے قول کی تعیین کرنا ہوتا ہے۔ اس طبقہ میں حنفی مذہب کے فقہاء میں سے امام جصاصؒ (م۳۷۰ھ) اور امام ابن الہمامؒ (م۸۶۱ھ) وغیرہ شامل ہیں۔

ان چار اقسام کے افراد کا تعلق مجتہدین سے ہے۔ البتہ علامہ ابن کمال پاشاؒ نے تین قسمیں مزید بیان کی ہیں جو یہ ہیں:

۵۔ اصحابِ ترجیح

ان فقہاء کا کام یہ ہوتا ہے کہ دلائل کی روشنی میں یہ بتائیں کہ اپنے امام کی مختلف روایات میں سے کون سی روایت افضل ہے اور کون سی مفضول ہے۔ حنفی مذہب میں علامہ قدوریؒ (م۴۲۸ھ) اور علامہ مرغینانیؒ (م۵۹۳ھ) وغیرہ اصحابِ ترجیح میں شامل ہیں۔

۶۔ اصحابِ تمییز

یہ فقہاء قوی اور ضعیف، روایت کے ظاہر اور نادر روایات کے فرق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور ان کو ممتاز کر لیتے ہیں۔ ان کا بس یہی کام ہوتا ہے۔ حنفی علماء میں چاروں متون[۸۳] کے مؤلفین یعنی علامہ محمود محبوبیؒ (م---ھ)، علامہ عبداللہ موصلیؒ

۸۳۔ وہ چار کتابیں جو مذہب حنفی میں چار متون کہلاتی ہیں یہ ہیں: الوقایۃ مختصر الھدایۃ، المختار و شرحہ الاختیار، مجمع البحرین اور کنز الدقائق

(م۶۸۳ھ)، علامہ ابن الساعاتیؒ (م۶۹۴ھ) اور علامہ نسفیؒ (م۷۱۰ھ) وغیرہ اصحابِ تمیز میں شامل ہیں۔

۷۔ مقلّدینِ محض

یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن میں مندرجہ بالا امور میں سے کسی بات کی صلاحیت نہیں ہوتی بلکہ جو قول جہاں اور جیسے پاتے ہیں اسے نقل کر دیتے ہیں، جیسے اندھیری رات میں لکڑیاں چننے والا جو پاتا ہے سمیٹ لیتا ہے۔

علامہ ابن کمال پاشاؒ نے مجتہدین کی مذکورہ بالا تقسیم کی ہے، وہ اپنی جگہ صحیح ہے لیکن اس تقسیم میں فقہاء کی جو درجہ بندی کی گئی ہے اس پر اشکال اور اعتراضات وارد کیے گئے ہیں۔ مثلاً امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو طبقہ ثانیہ میں رکھا گیا ہے، حالانکہ صاحبین نے کثرت سے امام ابو حنیفہؒ کی اصول میں مخالفت کی ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ صاحبین نے امام ابو حنیفہؒ سے دو تہائی مذہب میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کے نزدیک صاحبین مجتہد مطلق تھے مگر اپنے استاد کی جلالتِ شان اور تعظیم و ادب کی وجہ سے انہی کے اصول کے تابع رہے اور انہی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا۔

یہ اشکال بھی وارد کیا گیا ہے کہ دیگر فقہاء میں سے بعض کو جس طبقہ میں شمار کیا ہے وہ اس سے بلند مقام رکھتے ہیں۔ مثلاً علامہ طحاویؒ کو تیسرے اور علامہ جصاصؒ کو چوتھے طبقے میں شمار کر کے ان کا رتبہ کم کیا ہے۔ اسی طرح علامہ مرغینانیؒ اور علامہ قدوریؒ کا درجہ بھی گھٹا دیا ہے۔ بعض کے نزدیک علامہ ابن الھمامؒ کو رتبہ اجتہاد حاصل تھا (۸۴)۔ اسی طرح بعض کی رائے میں علامہ ابن عبدالبرؒ، علامہ ابن العربیؒ اور علامہ ابن الصلاحؒ مجتہد منتسب نہیں بلکہ مجتہد فی المسائل تھے۔ یہ کہا گیا ہے کہ حنبلی مذہب میں کوئی مجتہد فی المذہب نہیں گزرا جبکہ مشہور مصری عالم استاذ ابو زہرہؒ لکھتے ہیں کہ اصحابِ امام احمد بن حنبلؒ میں مجتہد منتسب (مجتہد فی المذہب) بہت ہوئے ہیں۔ استاذ ابو زہرہؒ نے امام ابن تیمیہؒ (م۷۲۸ھ) کو حنبلی مذہب میں مجتہد منتسب قرار دیا ہے (۸۵)۔

کیا ہر مجتہد مصیب ہے؟ (۸۶)

کیا ہر مجتہد جو اپنے اجتہاد سے کسی مسئلہ کا حکم پا لے، مصیب (درست کار) ہوتا ہے یا صرف ایک مجتہد حق پر ہوتا ہے اور باقی سب مجتہدین مخطی (خطا کار) ہوتے ہیں؟ اس مسئلہ پر اصولیین کے نظریات معلوم کرنے کے لیے مسائل کو دو اقسام میں

۸۴۔ غایۃ السعایہ ۱/۱۱۸۔

۸۵۔ حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ص ۶۶۳

۸۶۔ البحر المحیط ۸/۲۷۶۔ کشف الاسرار علی فخر الاسلام البزدوی ۴/۱۶ ومابعد۔ الوصول الی الاصول ۲/۳۳۷ ومابعد۔ التلویح علی التوضیح ۲/۶۷۱ ومابعد۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۴/۴۰۹ ومابعد۔ شرح الکوکب المنیر ص ۴۸۸ ومابعد۔ المستصفی ۲/۳۵۷ ومابعد۔ ارشاد الفحول ص ۴۳۴ ومابعد۔ ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام ۲/۶۸

تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ وہ مسائل جن کا تعلق قطعیات سے ہے۔

۲۔ وہ مسائل جو ظنیات سے متعلق ہیں۔

قطعیات

یہ وہ مسائل ہیں جن کے احکام کے ثبوت میں قطعی نصوص اور دلائل موجود ہوتے ہیں۔ قطعیات کی بھی تین اقسام ہیں:

۱۔ عقلی مسائل

اگر عقلی مسائل دین سے تعلق رکھتے ہیں جیسے وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت پر ایمان، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام کی بعثت اور ان کے معجزات پر ایمان اور حدوثِ عالم وغیرہ، ایسے مسائل میں حق صرف ایک ہے اور جس کا اجتہاد درست ہوا وہ حق پر ہے۔ اگر دینی مسئلہ ایسا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے دور نہیں رکھتا مثلاً مؤحدین کا جہنم سے نکلنا، روزِ قیامت دیدارِ الٰہی کا جواز اور خلقِ اعمال وغیرہ تو اس میں مخطی مجتہد گناہ گار ہوگا کیونکہ وہ حق تک پہنچنے میں گمراہ ہوا، لیکن اس خطا سے کفر لازم نہیں آئے گا۔ اگر قطعی عقلی مسئلہ دینی نہیں بلکہ طبیعاتی ہے جیسے اجسام کی ترکیب وغیرہ تو ان میں خطا کرنے والا مجتہد گناہ گار نہیں ہے۔

۲۔ اصولی مسائل

اگر اجتہاد کا تعلق اصولی مسائل سے ہے مثلاً حجیتِ اجماع، حجیتِ قیاس اور حجیتِ خبر واحد وغیرہ جن کے دلائل قطعی ہیں، ان مسائل میں اجتہادی غلطی کرنے والا اور ان کی مخالفت کرنے والا خطا کار اور گناہ گار ہے۔

۳۔ فقہی مسائل

قطعیات کی تیسری قسم ان مسائل کی ہے جن کا تعلق شرعی فقہی احکام سے ہے۔ ان میں بعض ایسے مسائل ہیں جن میں اجتہاد کی گنجائش و اجازت نہیں ہے۔ ان کے حکم کے ثبوت میں قطعی نصوص پائے جاتے ہیں جیسے پانچ نمازوں، زکوٰۃ، رمضان کے روزوں اور حج کی فرضیت اور زنا، قتل، چوری اور شراب کی حرمت وغیرہ وغیرہ۔ ان مسائل کی مخالفت کرنے والا کافر ہے کیونکہ ان مسائل کا تعلق ضروریاتِ دین سے ہے۔ جن فقہی مسائل میں قطعی نصوص تو ہیں مگر ان کا تعلق ضروریاتِ دین سے نہیں ہے جیسے وہ فقہی مسائل جو اجماع سے معلوم ہوں، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ان میں اجتہادی غلطی کرنے والا خطار کار اور گناہ گار ضرور ہے مگر کافر نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تین صورتوں میں حق اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف ایک ہے اور صرف وہی مجتہد مصیب اور درست کار ہے جس کا اجتہاد اس حق کے موافق ہوا۔ ان مسائل میں دونوں متضاد حکموں میں سے ہر ایک کا حق ہونا ممکن نہیں ہے بلکہ ایک حق ہے

اور دوسرا باطل۔

ظنیات

ظنیات وہ مسائل ہیں جن کے احکام کے ثبوت میں قطعی دلیل نہ ہو بلکہ وہ ظنی دلائل سے ثابت ہوتے ہوں۔ یہی مسائل محلِ اجتہاد ہیں۔ ظنیات میں کیا ہر مجتہد کے قول میں حق ہے یا صرف ایک مجتہد کا قول برحق ہے؟ اس مسئلہ پر علماء کی دو آراء ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر فقہاء کے نزدیک صرف ایک مجتہد کا قول حق ہے اگر چہ وہ قولِ حق ہمارے سامنے متعین نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں متعین ہے۔ ایک زمانہ میں ایک چیز ایک شخص پر بیک وقت حلال اور حرام نہیں ہو سکتی۔

امام ابوالحسن اشعریؒ، علامہ ابوہذیلؒ اور علامہ جبائیؒ معتزلی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ مجتہدین کے تمام اقوال میں حق ہے۔ ظنّی مسائل میں اللہ تعالیٰ کا حکم ایک نہیں ہے بلکہ وہ مجتہد کے ظن کے تابع ہے۔

کیا ظنّی مسائل میں ہر مجتہد مصیب ہے یا کسی ایک مجتہد کا اجتہاد درست ہے اور اس کے سوا دوسرے مجتہدین مخطی ہیں؟ اس میں علماء کی آراء مندرجہ ذیل ہیں:

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مصیب مجتہد صرف ایک ہے اگر چہ وہ متعین نہیں۔ اس ایک کے سوا باقی تمام مخطی ہیں کیوں کہ ہر واقعہ اور مسئلہ کا حکم معین ہوتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہے اگر چہ حق ایک کے ساتھ ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی رائے سے موافق ملتا ہے اور ایک قول امام ابو یوسفؒ کی رائے سے موافق پایا جاتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہے اور ظنیات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی حکم معین نہیں ہے۔

اجتہاد میں غلطی

ظنّی مسائل میں اگر چہ اہلِ حق علماء کا یہ اختلاف ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے یا صرف ایک، لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ظنیات میں مخطی آثم نہیں ہوتا۔ اگر وہ اپنے اجتہاد میں غلطی کرے تو اسے گناہ نہیں ہوگا بلکہ اس پر بھی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور ہے۔

اسلام میں مصیب مجتہد کو اجر دیا گیا ہے تو مخطی کو بھی اجر سے محروم نہیں کیا گیا۔ غیر منصوص مسائل کے اجتہادات میں اثم و گناہ نہیں ہے کیونکہ ایسے فقہی اجتہادات میں مقصود گمان اور ظن کا حصول ہوتا ہے۔ ظنیات میں مجتہد مصیب بھی ہوتا ہے اور مخطی بھی۔ اجتہاد کرنے کی بنیاد پر دونوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر ملے گا، البتہ اجر ملنے میں مجتہد مصیب کا درجہ غلطی کرنے والے مجتہد سے زیادہ ہے۔

اجتہاد میں صواب و خطا اور اس پر اجر و ثواب کے بارے میں چند اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ فِيۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ وَلٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ [الاحزاب ۳۳:۵]

اور جو بات تم سے غلطی سے ہوگئی ہو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں لیکن جو تم دل کے ارادے سے کرو (اس پر مواخذہ ہے)

یہ آیت اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ نادانستہ غلطی کرنے پر اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ یہ آیت اپنے حکم میں عام ہے۔ اس میں تمام اعمال و اعتقادات، فتوے، احکام اور اجتہادی آراء شامل ہیں۔

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو دو افراد کے درمیان جھگڑے کا فیصلہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

ان اجتهدت فاصبت لک عشرة اجور و ان اجتهدت فاخطات فلک اجر واحد(۸۷)

اگر تم نے اجتہاد کیا اور درست کیا تو تمہیں دس اجر ملیں گے اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو تمہیں ایک اجر ملے گا۔

۳۔ ایسے ہی ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کو بھی یہی فرمایا:

فان اجتهدت فاصبت فلک عشرة اجور و ان اجتهدت فاخطات فلک اجر واحد(۸۸)

اگر تم نے اجتہاد کیا اور درست ۔ تو تمہیں دس اجر ملیں گے اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو تمہیں ایک اجر ملے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور فرمانِ مبارک ہے:

اذا اجتهد الحاکم فاخطا فله اجر و اذا اجتهد فاصاب فله اجران(۸۹)

جب کسی حاکم نے اجتہاد کیا پھر اس میں غلطی کی تو اس کے لیے ایک اجر ہے اور جب اس نے اجتہاد کیا پھر اس کا اجتہاد درست ہوا تو اس کو دو اجر ملیں گے۔

۸۷۔ المستدرک ۸۸/۴۔ مسند احمد بن حنبل ۲۰۵/۴۔ سنن الدارقطنی ۲۰۳/۴

۸۸۔ سنن الدارقطنی ۲۰۳/۴۔ مجمع الزوائد ۱۹۹/۴۔ المعجم الاوسط ۳۵۰/۲

۸۹۔ ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام ۲۳۳/۲

اہم نکات

۱۔ اجتہاد مجتہد کی اس انتہائی کوشش کا نام ہے جو فقہ اسلامی کے تفصیلی دلائل سے بذریعہ استنباط کسی شرعی عملی حکم کے حصول میں کی جائے۔

۲۔ اجتہاد انسانی زندگی کے مسائل اور اس کے تسلسل کے لیے ناگزیر ہے۔

۳۔ اجتہاد کی شرائط یہ ہیں: قرآن اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، اجماع سے واقفیت، اصول فقہ کا علم، عربی زبان کا علم، اختلاف کو تطبیق دینے کی صلاحیت، فقہی اصول و کلیات کا علم، بنیادی عقائد کا علم، علم الکلام کے احکام و دلائل سے واقفیت، اسلام، عدالت اور ذوقِ اجتہاد۔

۴۔ کسی زمانے میں مجتہد مطلق ہونے کے امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ قطعیات اجتہاد کے دائرہ سے باہر ہیں۔

۶۔ اجتہاد نص سے ثابت کسی حکم کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

۷۔ اجتہاد ان مسائل میں کیا جائے گا جن کی دلیل ظنی ہو۔

۸۔ اجتہاد کے مآخذ قرآن، سنت اور اجماع ہیں۔

۹۔ اجتہاد کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: توضیحی، استنباطی، استصلاحی

۱۰۔ مختلف اعتبارات سے اجتہاد کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

۱۔ کوشش کے اعتبار سے:

۱۔ اجتہادِ تام ۲۔ اجتہادِ ناقص

۲۔ مجتہد کے اعتبار سے:

۱۔ اجتہادِ مطلق ۲۔ اجتہادِ مقید

۳۔ موقع و محل کے اعتبار سے:

۱۔ اجتہادِ عام ۲۔ اجتہادِ خاص

۴۔ حکمِ تکلیفی کے اعتبار سے:

۱۔ اجتہاد فرضِ عین ۲۔ اجتہاد فرضِ کفایہ

۳۔ اجتہاد مباح ۴۔ اجتہاد مکروہ

۵۔ اجتہاد حرام

۱۱۔ مجتہد کی یہ اقسام ہیں: مجتہد فی الشرع، مجتہد فی المذہب، مجتہد فی المسائل اور مجتہد مقید۔

۱۲۔ قطعیات میں حق صرف ایک ہے اور وہی مجتہد مصیب ہے جس کا اجتہاد اس حق کے موافق ہوا۔ قطعیات میں مخطی مجتہد آثم ہے۔

۱۳۔ ظنیات میں مجتہد مصیب بھی ہوتا ہے اور مخطی بھی لیکن مخطی پر کوئی گناہ نہیں۔

۱۴۔ اجتہاد میں نادانستہ غلطی پر بھی اجر و ثواب ہے۔

کتب برائے مزید مطالعہ

۱۔ اجتہاد از مولانا تقی امینی، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

۲۔ مسئلہ اجتہاد از مولانا محمد حنیف ندوی، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی

۳۔ جامع الاصول از ڈاکٹر احمد حسن، اردو ترجمہ الوجیز فی اصول الفقہ از ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، مطبع مجتبائی پاکستان، ہسپتال روڈ، لاہور۔

3. **Islamic Jurisprudence by Imran Ahsan Khan Nyazee, International Institute of Islamic thoughts, Islamabad & Islamic Research Institute, Islamabad 2000.**

4. **Theories of Islamic Law: The Methodology of Ijtihad by Imran Ahsan Khan Nyazee, International Institute of Islamic Thoughts, Islamabad & Islamic Research Institute, Islamabad 1994.**

مصادر و مراجع

۱۔ قرآن مجید

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل (م۲۵۶ھ)، صحیح بخاری، قمر سعید پبلشرز لاہور ۱۹۷۹ء

۳۔ مسلم بن الحجاج (م۲۶۱ھ)، صحیح مسلم شریف مع مختصر شرح نووی، ناشر خالد احسان پبلشرز، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور۔

۴۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ (۲۷۹ھ)، جامع ترمذی، ناشر ضیاء احسان پبلشرز، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور۔

۵۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث (م۲۷۵ھ)، سنن ابو داؤد، ادارہ الاشاعت، اردو بازار کراچی۔

۶۔ نسائی، احمد بن شعیب (م۳۰۳ھ)، سنن نسائی، دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

۷۔ منذری، عبدالعظیم بن عبدالقوی (م۶۵۶ھ)، الترغیب و الترھیب، دارالفکر ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

۸۔ ہیثمی، علی بن ابی بکر (م۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، موسسہ المعارف، الریاض ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۳ء

۹۔ طبرانی، سلیمان بن احمد (م۳۶۰ھ)، المعجم الاوسط، مکتبہ المعارف، الریاض ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء

۱۰۔ دارقطنی، علی بن عمر (م۳۸۵ھ)، سنن الدار قطنی، الناشر السید عبدالھاشم یمانی مدنی بالمدینہ المنورۃ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

۱۱۔ احمد بن حنبل (م۲۴۳ھ)، مسند احمد بن حنبل، مکتبہ الاسلامی، بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

۱۲۔ حاکم نیشابوری، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ (م۴۰۵ھ)، المستدرک علی الصحیحین فی الحدیث، مکتبۃ المعارف بالریاض دارالکتب العلمیہ۔

۱۳۔ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام، شارح مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، مترجم عبدالوکیل علوی، دارالسلام پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ریاض ۱۹۹۷ء

۱۴۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی (م۳۷۰ھ)، اصول الجصاص المسمی الفصول فی الاصول، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعہ الاولی ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء

۱۵۔ زرکشی، بدر الدین محمد بن بہادر بن عبداللہ (م۷۹۴ھ)، تشنیف المسامع لجمع الجوامع لتاج الدین السبکی، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعہ الاولی ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء

۱۶۔ زرکشی، البحر المحیط، دارالکتبی، الطبعہ الاولی ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء

۱۷۔ غزالی، ابوحامد محمد بن محمد (م۵۰۵ھ)، المستصفیٰ من علم الاصول و بذیلہ فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت فی اصول الفقہ، منشورات الرضی قم، (الطبعہ الاولی بالمطبعہ الامیریہ ببولاق مصر المحمیہ ۱۳۲۴ھ)

۱۸۔ آمدی، ابوالحسن علی بن ابی علی بن محمد (م۶۳۰ھ)، الاحکام فی الاصول الاحکام، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان الطبعہ الاولی ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

۱۹۔ قرافی، شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس بن عبدالرحمٰن (م۶۸۴ھ)، نفائس الاصول فی شرح المحصول، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ المکرّمہ، الریاض، الطبعہ الثانیہ ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۴ء

۲۰۔ ابن برہان البغدادی، احمد بن علی (م ۵۱۸ھ)، الوصول الی الاصول، مکتب المعارف الریاض، الطبعہ الاولی ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء

۲۱۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ (م۷۹۰ھ)، الموافقات فی اصول الشریعۃ، دارالمعرفہ، بیروت، لبنان۔

۲۲۔ شوکانی، محمد بن محمد (م۱۲۵۰ھ)، ارشاد الفحول الی تحقیق علم الاصول، دارالفکر، بیروت لبنان، الطبعہ الاولی ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۲ء

۲۳۔ ماوردی، ابوالحسن علی بن محمد حبیب (م۴۵۰ھ)، الاحکام السلطانیۃ و ولایات الدینیۃ، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان

الطبعہ الاولی ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء
۲۴۔ ابن قیم الجوزیہ، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر (م۷۵۱ھ)، اعلام الموقعین، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان، الطبعہ الثانیہ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء
۲۵۔ صدر الشریعہ، عبداللہ بن مسعود (م۷۴۷ھ) التوضیح مع حاشیۃ التلویح للتفتازانی (م۷۹۲ھ)، نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی ۱۴۰۰ھ
۲۶۔ عبداللہ بن علی بن محمد النملہ، الجامع لمسائل اصول الفقہ، مکتبہ الرشید، الریاض ۱۴۲۰ھ
۲۷۔ بخاری، عبدالعزیز (م۷۳۰ھ)، کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی، الصدف پبلشرز، کراچی پاکستان۔
۲۸۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم (م۱۸۳ھ)، کتاب الخراج، دارالمعرفہ للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

''مطالعہ اسلامی قانون'' کے مطبوعہ مضامین

اختصاصی مطالعہ: اصول فقہ کورس

۱۔	علم اصول فقہ: ایک تعارف (حصہ اول)
۲۔	علم اصول فقہ: ایک تعارف (حصہ دوم)
۳۔	قرآن
۴۔	سنت
۵۔	سنت کی حجیت کا جائزہ
۶۔	اجماع
۷۔	قیاس
۸۔	شرائع سابقہ، اقوال صحابہؓ، استصلاح
۹۔	استحسان، استصحاب، استدلال
۱۰۔	عرف اور سد ذرائع
۱۱۔	حکم شرعی۔۱ (حکم تکلیفی)
۱۲۔	حکم شرعی۔۲ (حکم وضعی)
۱۳۔	خاص
۱۴۔	عام، مشترک، حقیقت ومجاز، صریح وکنایہ
۱۵۔	دلالات
۱۶۔	اسلام کا نظریہ اجتہاد
۱۷۔	مناہج واسالیب اجتہاد
۱۸۔	تقنین (اسلامی احکام کی ضابطہ بندی)
۱۹۔	پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کا عمل
۲۰۔	فقہ حنفی وفقہ مالکی
۲۱۔	فقہ شافعی وفقہ حنبلی
۲۲۔	فقہ جعفری وفقہ ظاہری
۲۳۔	قواعد کلیہ (حصہ اول)
۲۴۔	قواعد کلیہ (حصہ دوم)

ابتدائی کورس

۱۔	اسلامی قانون کے مآخذ، ماخذ اول۔ قرآن
۲۔	اسلامی قانون کے مآخذ، ماخذ دوم۔ سنت
۳۔	اسلامی قانون کے مآخذ، ماخذ سوم۔ اجماع
۴۔	اسلامی قانون کے مآخذ، ماخذ چہارم۔ قیاس
۵۔	اجتہاد کی تعریف
۶۔	اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار
۷۔	دینی مسائل میں اختلافات، اسباب اور ان کا حل
۸۔	اسلام کا قانون نکاح وطلاق
۹۔	اسلام کا قانون وراثت ووصیت
۱۰۔	اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ
۱۱۔	اسلام کا تصور ملکیت ومال
۱۲۔	اسلام کا تصور معاہدہ
۱۳۔	اسلام میں شراکتی کاروبار کا تصور
۱۴۔	مزارعت اور مساقات
۱۵۔	اسلام کا نظام محاصل
۱۶۔	اسلام کا نظام مصارف
۱۷۔	اسلام میں عدل وقضا کا تصور
۱۸۔	اسلام کا نظام احتساب
۱۹۔	اسلامی نظام عدل میں شہادت کا تصور
۲۰۔	اسلام کا تصور جرم وسزا
۲۱۔	اسلام کا فوجداری قانون
۲۲۔	اسلام کا دستوری قانون
۲۳۔	اسلام کا قانون بین الممالک
۲۴۔	اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری

شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد